تلاشِ غالب
نثار احمد فاروقی

تلاشِ غالب

"غالب کے طرف دار"

لطیف عارف کے نام

"کہ آشنا سخنِ آشنا نگہدارد"

فہرست مضامین

سر سخن

ہمارے نقادوں اور محققوں کا غالب پر کچھ نہ کچھ لکھنا ایسا ہی ضروری ہو گیا ہے جیسے مناسک حج میں میدان عرفات کا قیام، کہ اس کے بغیر حج ہی نہیں ہوتا - یہی اس کتاب کی شان نزول ہے - [1]

میں نے پچھلے پندرہ برس میں، فیشن یا فرمائش کے زیراثر، غالب پر دو درجن مضامین لکھے ہوں گے - ان میں ریڈیو کی تقریریں تو خیر 'باد ہوائی' باتیں تھیں، باقی مضامین میں تقریباً دس ایسے ضرور تھے جنھیں کتابی صورت میں پیش کر دینا غیر مناسب معلوم نہ ہوا —— اس لیے کہ ان میں کچھ نہ کچھ 'نیا مسالا' موجود تھا۔

چنانچہ اس مجموعے کا پہلا مضمون 'نوادر غالب' ہے جس کے تین حصے ہیں : پہلے حصے میں غالب کے گیارہ خطوط فارسی کے اور ایک رقعہ اردو کا ہے - یہ اور کسی کتاب میں نہیں ملتے - ان کا ماخذ ایک قلمی بیاض ہے، جو راقم الحروف کے ذخیرۂ ذاتی میں ہے - دوسرے حصے میں غالب کا ایک اور فارسی خط سرسید احمد خاں کے نام ہے، یہ بھی خطوط غالب کے ہر مجموعے سے غیر حاضر ہے۔ اسے میں نے آگرے کے ایک کتب خانے سے برآمد کیا تھا - تیسرے حصے میں غالب کا کچھ غیر معروف کلام ایک قدیم مطبوعہ رسالے سے دریافت کرکے پیش کیا ہے - یہ رسالہ 'عیدی نامہ' اب میں نے رضا لائبریری (رام پور) میں محفوظ کرا دیا ہے -

غالب کے ہم عصر تذکرہ نگاروں میں وزیر علی 'عبرتی' عظیم آبادی بھی ہے - یہ متعدد کتابوں کا مصنف ہے، جن میں 'تذکرہ ریاض الافکار' بہت اہم ہے - اس میں فارسی نثر نگاروں کے حالات اور عبارت کے نمونے فراہم کیے گئے ہیں - یہ تذکرہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے ، اس میں غالب سے متعلق جو کچھ ملتا ہے اس سے ایک ہم عصر بیان ہونے کے علاوہ دو فائدے اور حاصل ہوتے ہیں : یعنی غالب کے ایک فارسی خط کی عبارت میں کلیات نثر میں شمول کے وقت کیا رد و بدل ہوا ہے ، اس کا علم ہو جاتا ہے : دوسری بات یہ معلوم ہو جاتی ہے کہ کلکتہ میں جن لوگوں سے ان کا ہنگامہ ہوا تھا ان میں مرزا امان علی خاں بھی شامل تھے -

"کچھ غالب کے بارے میں" بعض متفرق معلومات پر مشتمل ہے - اس میں ایک ایسی غزل بھی ملے گی جو دیوان غالب مطبوعہ نولکشور کے حاشیے پر کسی نے نقل کر دی ہے اور اسے غالب سے منسوب کیا ہے ؛ اگرچہ مجھے اس کے قبول کرنے میں تامل ہے ، لیکن جب تک ان اشعار کا کوئی دوسرا دعویدار پیدا نہ ہو ، انھیں غالب ہی کی ملکیت سمجھا جائے گا ، خواہ قرائن کتنے ہی ضعیف کیوں نہ ہوں - اسی مضمون میں لکھنؤ کی دو مشہور طوائفوں زہرہ اور مشتری کے اعتراضات کے سلسلے میں 'نور محمد خاں عطارد' کا ایک خط ملے گا جو 'اشرف الاخبار' دہلی میں چھپا تھا، اور وہاں سے درگاپرشاد نادر نے تذکرہ 'چمن انداز' میں نقل کیا ہے - مجھے اس عہد میں اس نام اور تخلص کا کوئی شاعر کہیں نہیں ملا - خط کی عبارت غمازی کر رہی ہے کہ خود غالب نے لکھوایا ہے ، اور زہرہ و مشتری پر چوٹ کرنے کے لیے ،مکتوب نگار

کا فرضی تخلص 'عطارد' قرار دے لیا ہے۔ اگر اس نام کا وجود خارجی ثابت نہیں ہوتا تو اس خط کو بھی غالب ہی کی تحریر سمجھنا چاہئیے۔

غالب نے جیل کی ہوا بھی کھائی تھی، مگر اس حادثے کی زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں۔ انہیں جان بوجھ کر بھی نظر انداز کیا گیا، اس لیے کہ غالب ایک اخلاقی جرم میں ماخوذ ہوئے تھے۔ آج بھی جوئے کی علت میں گرفتار اور سزا یاب ہونا کوئی فخر کی بات نہیں ہے، اس دور میں تو ایسی شرم ناک تھی کہ سننے والے کانوں میں بل ڈالتے ہوں گے۔ مگر ہمیں اس حادثے کی تفصیلات بھی درکار ہیں، تاکہ غالب کی سوانح عمری کا یہ گوشہ تاریخی اور واقعاتی اعتبار سے تشنہ اور نا مکمل نہ رہے، اور سب سے اہم بات یہ کہ اس حادثے کا ان کے ذہن پر جو اثر پڑا تھا وہ معلوم ہو جائے تو بہت سے اشعار کا پس منظر اور ذہنی فضا سمجھ میں آ جاتی ہے، اور اس طرح اشعار کے معانی کی نئی تہیں کھلتی ہیں۔ میں نے اس مضمون میں صرف ایک غزل کا زمانۂ تصنیف قطعیت کے ساتھ متعین کیا ہے کہ جیل سے رہا ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد لکھی گئی تھی۔ اب اس پس منظر میں آپ اسی غزل کو پھر پڑھیے، جسے بارہا پڑھا اور سنا ہوگا، اور دیکھیئے کہ اس خط کی روشنی میں وہ کتنی بلیغ اور تہہ دار نظر آتی ہے۔ یہاں کلام غالب کی تاریخی ترتیب کو سامنے رکھ کر اور بھی ایسے اشعار پیش کر دیئے گئے ہیں جو حادثہ اسیری کے بعد لکھے گئے تھے، اس طرح ان غزلوں کی ذہنی فضا کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اس مجموعے میں دو کتابوں پر تبصرے بھی شامل ہیں:

تلامذۂ غالب کا تبصرہ آج سے دس سال قبل لکھا گیا تھا۔ بعض امور میں جزوی طور پر میری رائے تبدیل ہو گئی ہے اور اس عرصے میں کچھ نیا مواد بھی سامنے آیا ہے۔ لیکن میں نے اس تبصرے کو علی حالہٖ رہنے دیا نظرثانی کرنے میں طوالت کا اندیشہ تھا۔

دوسرا تبصرہ اردوئے معلی (دہلی) کے 'غالب نمبر' پر ہے۔ اس میں اتنی خوردہ گیری کو قصداً جائز رکھا گیا ہے۔ اس سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ علم و تحقیق کو سیاسی ریشہ دوانیوں اور غیر علمی ہتھکنڈوں سے بچایا جائے، اور جو لوگ اپنے منصب یا جوڑ توڑ کی بنیاد پر علم و تحقیق کے میدان میں بھی جھنڈے گاڑنا چاہتے ہیں ان کی آزمائش اور باز پرس وقتاً فوقتاً ہوتی رہے۔ میں اسے 'کارِ ثواب' سمجھتا ہوں۔

درگا پرشاد 'نادر' دہلوی کو تذکرہ 'خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم' اور 'چمن انداز' کے مؤلف کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ لیکن شاید ہی کسی کو یہ علم ہو کہ اس نے کلامِ غالب کی ایک جزوی شرح بھی لکھی تھی اور اس لحاظ سے وہ غالب کا ہم عصر شارح ہے۔ یہاں وہ اشعار مع شرح پیش کیے جا رہے ہیں جو ہمیں اس کی ایک تصنیف کے ناقص نسخے میں ملے ہیں ان سے اندازہ ہوگا کہ غالب کے معاصرین اس کے کلام کو کس نظر سے دیکھتے تھے اور اس کی شرح و تفسیر کرتے ہوئے کتنی گہرائی میں اتر سکتے تھے۔

اس مجموعے کا سب سے زیادہ قیمتی بلکہ — کہنا چاہیے حاصلِ کتاب۔ مضمون ''دیوانِ غالب: نسخہ امروہہ'' کا

تعارف ہے۔ یہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے سب سے پہلے آنا چاہیے تھا مگر ترتیب میں آخری یوں ہو گیا ہے کہ دیوان غالب کا یہ نسخہ اپریل کے دوسرے ہفتے میں دریافت ہوا ہے اور ٹھیک ۱۵ دن کے اندر اندر میں نے یہ مضمون لکھ کر کتاب کی طباعت کے دوران اس مجموعے میں شامل کیا ہے۔ دیوان غالب کا نسخۂ امروہہ تمام تر غالب کے قلم سے لکھا ہوا ہے، اور صفر ۱۲۳۷ھ سے پہلے مرتب ہوا ہے؛ اس کی قدروقیمت کا اندازہ مضمون پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ یہ نسخۂ حمیدیہ کا بنیادی مسودہ ہے اس میں متعدد غزلیں غیر مطبوعہ ہیں جو اس مضمون میں شامل کی جا رہی ہیں۔ یہ وہ کلام ہے جو نسخۂ حمیدیہ کی ترتیب کے وقت (۱۲۳۷ھ) غالب نے قلم زد کر دیا تھا۔ اس نسخے کی یہ اہمیت بھی ہے کہ نسخۂ حمیدیہ کے بہت سے اشعار جو سہوِ کتب کے باعث مہمل معلوم ہوتے تھے اور ان کی تصحیح و تصدیق کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہ تھا، اب ان کا متن درست ہو جائے گا اور مہمل گوئی کا الزام کم سے کم ان اشعار کی حد تک غالب کے سر سے اتر جائے گا۔

میرے لیے سب سے زیادہ خوشی اور فخر کا مقام یہ ہے کہ دیوان غالب کا یہ نسخہ ۵ اپریل ۱۹۶۹ع کو دریافت ہوا ہے، جب کہ زیر نظر کتاب تقریباً کل چھپ چکی تھی، میں نے اس نسخے کا تعارف اتنی قلیل مدت میں سب سے پہلے اسی کتاب کے ذریعے پیش کیا ہے، غالب کے جو متفرق غیر مطبوعہ اشعار نسخہ امروہہ میں ہیں ان کا تو احاطہ نہیں کیا جا سکا ہے، لیکن اس کی وہ غزلیں جو نسخۂ حمیدیہ سے خارج کر دی گئی تھیں، یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔ آئندہ

غالبیات کے سرمائے میں اور کلام غالب کے تاریخی مطالعے میں یہ نسخہ وہی اہمیت حاصل کرے گا جو نسخہ حمیدیہ اور نسخہ شیرانی کو حاصل ہے، اور اس کی اشاعت کے بعد غالب کے بالکل ابتدائی کلام کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔

(۲)

مضامین کا یہ مجموعہ میرے نادیدہ دوست اور قدردان جناب لطیف عارف کی توجہ سے شائع ہو رہا ہے۔ وہ غالب کے سچے پرستار اور عاشق ہیں۔ غالبیات پر ان کا ذاتی ذخیرہ بہت قیمتی اور برسوں کی محنت کا حاصل ہے جس میں غالب کے متعلق تقریباً کل مطبوعہ کتابوں کے علاوہ سات آٹھ اور مضامین کے تراشے بھی شامل ہیں۔ میں اپنی اس کتاب کو جناب لطیف عارف صاحب کے نام معنون کرتا ہوں۔

میں ولید میر صاحب کا بھی شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کو بڑی خوبصورتی سے شائع کیا اور اس طرح اس کتاب کے عیب چھپا دیئے۔

خدا کرے غالب شناسوں میں یہ کتاب مقبول ہو اور میری محنت سوارت ہو جائے۔

مئی ۱۹۶۹ء

نثار احمد فاروقی

دہلی کالج
اجمیری گیٹ
دہلی - ۶

نوادر غالب (۱)

(۱۲ غیر مطبوعہ خطوط)

(الف) مقدمہ

یہ میرزا غالب کی خوش نصیبی نہیں تو کیا ہے کہ اُن پر اتنا تحقیقی کام ہو چکا ہے لیکن ابھی تک کوئی نہ کوئی پہلو گفتگو کے لیے مل ہی جاتا ہے ـــــ میں آج میرزا غالب کے ایک درجن غیر مطبوعہ خطوط ''نقوش''[۱] کے توسط سے غالب پسندوں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ ان میں ایک خط اُردو کا ہے (بنام تفتہ) اور گیارہ خطوط فارسی میں لکھے گئے ہیں، جن میں سے آٹھ نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ و حسرتی (متوفی ۱۸۶۹ع/۱۲۸۶ھ) کے نام ہیں، باقی تین خطوط کے مکتوب الیہم منشی نبی بخش حقیر[۲] (متوفی ۱۸۶۰ع) میرزا ہرگوپال تفتہ (متوفی ۱۸۷۹ع) اور مولوی فضل اللہ ہیں۔ یہ خطوط ابھی تک کہیں شائع نہیں ہوئے

---

۱ - نقوش (لاہور) سالنامہ (جنوری ۱۹۶۳)

۲ - منشی نبی بخش حقیر کے نام ایک فارسی خط اور بھی ہے جسے اپنے مضمون ''حادثہ اسیری اور غالب'' (نقوش شمارہ/۹۴، اگست ۱۹۶۲ع میں پیش کر چکا ہوں۔ یہ اگرچہ پنج آہنگ (کلیات نثر غالب/۱۰۳) میں شامل ہے مگر مجھے جو روایات دستیاب ہوئی ہیں اس میں بعض اہم اختلافات ہیں - سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سے غالب کی ایک غزل (ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا) کی شان نزول اور تاریخ تصنیف معلوم ہو جاتی ہے -

ہیں نہ آج پہلے سے کسی کے علم میں آئے ہیں۔ ان کا ماخذ ایک قلمی بیاض ہے جس کا عنوان، جامع کا نام، سال تالیف یا سنہ کتابت کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ یہ اگرچہ صاف نستعلیق خط میں لکھی ہوئی ہے لیکن اس میں املا کی بے شمار غلطیاں ہیں اس کے خط کی روش اور ظاہری حلیے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ ۱۸۵۷ع سے پہلے لکھی گئی ہے۔ گو اس بات کی کوئی داخلی یا خارجی شہادت موجود نہیں ہے۔ اسے بیاض کہنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ یہ در اصل کسی خوش ذوق نے ۹۴ فارسی انشا پردازوں کے خطوط و رقعات کا انتخاب کیا ہے اس میں جن لوگوں کے مکتوبات شامل ہیں ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

مرزا معز موسوی فطرت، ملا ظہوری، عرفی، قاسم کاہی، محمد قلی سلیم، مرزا صائب، مرزا جلال اسیر، طالب کلیم، مرزا داراب بیگ جویا، طالب آملی، فیضی، حکیم ثنائی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، عبدالقادر بیدل، میرزا اسداللہ خان غالب، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، مولوی فضل حق خیر آبادی اور نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ۔

یہ نسخہ $11\frac{1}{2} \times 7\frac{1}{2}$ سائز کے ۱۷ سطری مسطر پر لکھا ہوا ہے، ہر سطر میں تقریباً ۱۷–۱۸ الفاظ ہیں، متن کی روشنائی سیاہ اور عنوانات کی شنگرفی ہے۔

اس مجموعے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مولانا فضل حق خیر آبادی[1]، نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ اور مولانا

۱۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کا ایک ہی خط ہے "عرضی درباره امتناع ٹیکس وغیره" میں اسے سہ ماہی نوائے ادب (بمبئی) جلد ۱۳ شماره/۳ جولائی ۱۹۶۲ میں چھپوا چکا ہوں۔

فیض الحسن سہارن پوری کے خطوط بھی بعض اعتبار سے بہت اہم ہیں ، اور ان میں سے اکثر غیر مطبوعہ ہیں ، وہ پھر کبھی نذر کروں گا ۔ انشاءاللہ ۔

میں نے غالب کے خطوط نقل کرنے میں اصل املا کی پابندی نہیں کی ہے ، یعنی وہی کہ یائے معروف و مجہول کا فرق نہیں ہے ، یا الفاظ کو ملا کر لکھا گیا ہے ، یا مرکز اور نقطوں کے معاملے میں کفایت شعاری سے کام لیا گیا ہے ، وغیرہ کیوں کہ اگر یہ خطوط غالب کے قلم سے لکھے ہوئے ہوتے تو البتہ اصل کے املا کی نشان دہی ضروری ہو جاتی ۔ یہ مجموعہ اگرچہ نستعلیق میں صاف اور روشن لکھا ہوا ہے تاہم خطوط فارسی کے بعض الفاظ نہیں پڑھے جا سکے یا ان میں التباس پیدا ہوا ، میں نے اکثر جگہ قیاسی تصحیح کر دی ہے اور جہاں التباس کا اندیشہ تھا وہاں اصل کا املا حاشیے پر نقل کر دیا ہے ۔

اس مضمون کی ترتیب یوں رکھی گئی ہے :

(الف) مقدمہ (ب) متن (ج) لغظیات (د) اردو ترجمہ (ہ) توضیحات (و) مراجع

ترجمہ کرنے میں اپنی سی احتیاط سے کام لیا گیا ہے وہ نہ ٹھیٹھ لفظی ہے نہ نرا مرادی ۔ بعض جملے قطعاً پلے نہیں پڑے وہاں اٹکل سے بھی کام چلایا ہے ۔ ترجمے سے مقصد صرف یہ ہے کہ ان خطوط کی افادیت کا دائرہ وسیع کیا جائے

ترتیب میں نے وہی رکھی ہے جو بیاض منقول عنہ میں ہے صرف اتنا کیا ہے کہ اردو کا خط جو سب سے آخر میں تھا اُسے میں نے یہاں شروع ہی میں درج کر دیا ہے اور

جس خط پر تاریخ کتابت درج نہیں ہے اس کا زمانہ متعین کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے -

توضیحات کے سلسلے میں محب مکرم ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ) سے بعض مفید مشورے ملے تھے اُن کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے -

(ب) متن

(۱) بنام ہرگوپال تفتہ :

میرے شفیق لالہ ہرگوپال تفتہ میرا قصور معاف کریں اور مجھ کو اپنا نیاز مند تصور فرماویں - آپ کا پارسل اور آپ کا خط سابق و عنایت نامۂ حال پہنچا - جواب نہ لکھنے کی دو وجہ ، ایک تو یہ کہ میں بیمار ، چار مہینے سے تپ لرزہ میں گرفتار ، دم لینے کی طاقت نہیں ، خط لکھنا کیسا - بارے اب فرصت ہے - دوسری وجہ یہ کہ کول تو معلوم مگر مکان آپ کا نہیں معلوم ، خط لکھوں تو کس پتے سے لکھوں ؟ ہاں آپ نے سر نامہ پر چاہ گرمابہ لکھا ، میں یہ نہیں لکھ سکتا ، کس واسطے کہ یہ حمام کے کنویں کی مٹی خراب کر کر اوس کو چاہ گرمابہ لکھا ہے - اسماء و اعلام کا ترجمہ فارسی میں کرنا ، یہ خلاف دستور تحریر ہے - بھلا اس شہر میں ایک محلہ بلی ماروں کا ہے اب ہم اوس کو ''گربہ کشان'' کیوں کر لکھیں - یا املی۲ کے محلے کو ''محلہ تمر ہندی'' کس طرح لکھیں - بہرحال ناچار تمہاری خاطر احمق بننا قبول کیا اور دو ہی لفظ مہمل لکھ کر خط بھیج دیا ہے - جواب یہ ہے کہ بھائی میرا دل

---

۱ - اصل : کوئی کی -   ۲ - اصل : انبلے کے -

اب شعر و سخن و امارت و ریاست و دین و دنیا و مرگ و زیست و کفر و اسلام سے سرد ہو گیا ہے ۔ مگر تمھاری خاطر ـــــــ سو یہ خوب یاد رہے کہ جتنی دیر میں تم ایک نئی غزل لکھ سکتے ہو ، مجھ سے اتنے عرصے میں آپ کی ایک غزل کو اصلاح نہیں دی جاتی ۔ جلدی نہ کرو اور میرے طور پر رہنے دو ۔ ان شاء اللہ تعالی اس قدر تمھاری جو کہ از قسم غزلیات ہیں وہ سب دیکھ کر بھیج دوں گا ۔ نصف دیوانِ سابق دیکھ چکا ہوں نصف باقی ہے ۔ مگر اب خدا کے واسطے جب تک یہ آپ کا کلام نہ پہنچے اور کلام نہ بھیجئے کہ میں گھبرایا جاتا ہوں ۔ فقط

(اسد اللہ خاں) [جون ۱۸۵۴ع]

(۲) بنام شیفتہ :

جناب عالی !

در تموز دی روز کہ خون در رگ سوخت ، و مغز در استخوان گداخت ، بلاے استسقاء آن چنان عام بود کہ سمندر تا خود را از آتش در آب نیند اختہ باشد آرام نیافتہ[1] باشد ۔ ہر گاہ کہ خوی من است جرعہ جرعہ آب آشا مید مے شما را ہر دم یاد آورد مے ۔ اگر دل از تشنگی یک رہ سوخت ، از بہر شما صد رہ سوخت ۔

کسے در عاشقی ہم پیشہ را چوں من نمی خواہد
خورم گر آب شیرینے بیا دم کوہکن آید

بارے بگویند کہ روز چوں سپری گشت و شب چگونہ گذشت ۔ خاں صاحب چہ تجویز کردہ اند و دی روز و امروز

---

۱ ـ اصل : یافتہ

کدام دو آشامیده اند ـ دیگر آن اگر امروز زنده مانم ، فردا با مداد کہاران فرستند تا مرا ببرند ـ والسلام ـ از اسد اللہ ـ

(۳) بنام مصطفی خاں شیفتہ :

خداوند نعمت را گرد سر گردم ، وسپاس روان پروری بجا می آرم ـ عطیہ آور بعد پرسش[1] دیگر ارزانی داشت ، ہمانا از صحت[2] و بہجت مزاج ہمایوں بشارت دادہ باشد کہ در اشارت چنیں گفتہ آمد ـ فردا کہ آدینہ روز است ببارگاہِ سپہر اشتباہ[3] سلطان می روم ـ امید کہ چوں بر گردم بہ آستان بوس مخدوم رسیدہ[4] باشم ، بحضرت سید سلام می رسانم ـ والسلام از اسداللہ ـ

(۴) بنام نواب مصطفی خاں شیفتہ :

قبلۂ من! چوں مخدوم صوم و نوم باہم آمیختہ ، لا جرم من کہ با یکے ازیں ہر دو مقاومت نتوانم کرد ، باہر دو چوں طرف گردم ، ہمانا در معذرت کاہلِ قدمی سخن می رود تا فرا رسند کہ اگر بملازمت نرسیدہ ام چرا نرسیدم و چہ اندیشیدم ـ ہاں بندہ پرور ـ امروز پنجمیں روز است ، کتاب مسودہ باز دہند و برمن سپاس نہند کاش ایں نیز بدانم کہ چوں بنظر مولانا گذشت ، کدام[5] عبارت دلاویز منظور نظر عطوفت گشت ـ امید کہ از حال مزاج مبارک ، کیفیت روزہ ، خاصہ دریں تموزروان سوز ، آگہی بخشند ـ حق حفظ صحت ادا و روزہ قضا کردہ باشند ـ فقط از اسد اللہ (غالباً اگست ۱۸۵۰ء)

---

۱ ـ اصل : پرستش ـ ۲ ـ اصل : صحبت ـ ۳ ـ اصل : سپہرا شہنشاہ ـ ۴ ـ اصل : باشد ـ ۵ ـ اصل : بکدام ـ

(۵) بنام نواب مصطفی خاں شیفته :

بندگی می فرستم ، دوام دولت و اقبال خواجه از یزدان می خواہم ، مگر نبشته باشم که رو دادۂ جہاں ستانی امیر تمر تاجور به نگارش گران[1] پذیرفته است ، بدرگه می برم و خودش می کشم ، خواجه بر من خورده گرفت که فلانے ماه بهتفریح[2] سبزه و آب رواں می رود (کذا) ۔ ہیہات چوں منے را سر سیر و تماشا کجا ۔ یارب کے رفتم آخر آں شد که چوں احترام الدوله بہادر بشہر تشریف ورود بخشید ، پیش وے رفتم و آں نگارش کہ بیش چہار جزو کاغذ بوده بوے سپردم ۔ پنہاں مباد که من از اندوه ستوہم و از زیستن بیزار ۔ ایں کار را بدم سردی و دل افسردگی می کنم ، عناں توسن خامه پنداری بدست من نیست ، خود بہر شیوه که خواہدگام می زند و ره می رود[3] ۔ و حال مزاج مبارک آنچه گماں داشتم به یقین انجامید ، یزداں توفیق پرہیز و بذریعۂ پرہیز تندرستی عطا فرماید ۔ قرة العین محمد علی خاں دعا خوانند ۔ والسلام (غالباً آخر اگست ۱۸۵۰ء)

(۶) بنام محمد مصطفی خاں شیفته :

آمید گه اہل معنی سلامت ۔ ریخته از نتائج تازگی[4] فکر است و غزلہای پارسی (که) بناے آں ہم پیش ریخته شده بود امشب بپایاں رسید ۔ خدا را دریں ہر دو غزل آں باید نگرست[5] که با که حرف می زند و چه می گوید ۔ حالیا حلیۂ ایں ابیات را خواستارم و سپاس را ، پز رفتار و آفریں جوی نیستم ۔ ہماں نوید خرسندی و تندرستی و شاد کامی می خواہم و بس ۔

---

۱ ۔ اصل : گراں ۔ ۲ ۔ اصل : تبصرح ۔ ۳ ۔ اصل : روند ۔
۴ ۔ اصل : تازکی ۔ ۵ ۔ اصل : نگذشت ۔

(۷) بنام محمد مصطفی خان شیفته :

روز چهار شنبه یعنی دی روز عرضه داشتدام که روز آدینه بارم می دهند و بعطاے خلعت و خطاب و توقیع نوکری برمن سپاس می نهند ۔ احترام الدوله بهادر بمقتضاے فحواے این فرد :

فرداست وعده جنت (و) امروز شد نصیب
آرے خلاف وعده کریمان چنیں کنند

ہم امروز که روز سعد اکبر است مرا به بزم خسروی خواند و کامیاب خطاب (و) خلعت و فرمانم گرداند ۔ دی شحنه شہر ، ''بدمعاش،، و ''میر بساطم،، نوشت ، و از من ہیچ نکاست ۔ امروز بادشاه دہلی نجم الدوله و دبیرالملک خواند ' و برمن ہیچ نیفزود[۱] کار بافرداست تادران روزم چه نویسند و بکدام نامم خوانند و دران چه‌ارزم بود ۔ یا رب بیایند زود بیایند تا فرمان شاه (و) نگارش ہاے این رو سیاه نگرند[۲] والسلام آلوف الاحترام نگاشته یوم الخمیس ۲۳ شعبان و چهارم جولائی ۱۸۵۰ع ۔

نہاں نماناد ۔ که تاریخ نوکری من در سرکار شاه بعہدۂ ''تاریخ نویسی' اسلاف،، این خاندان بمشاہرۂ پنجاه روپیه ' یکم ہمیں ماه است ، یعنی وصول زر تن خواه در سالے دوبار[۳] است ۔ فقط

(۸) بنام مصطفی خان شیفته

لله الحمد والمنه[۳] که خواجه بسر منزل نعمت[۴] باز رسیده ،

---

۱ ۔ اصل : بفزود   ۲ ۔ اصل : بگیرند   ۳ ۔ اصل : که
۴ ۔ اصل : نعمت و ناز

ونوردیدۂ خویشتن رادید ' امید کہ چوں تموزبپایاں رسیدہ ، و ھوا خنک گردیدہ است ، اعتدالے در مزاج پدید آمدہ باشد ، و ھر قدر بکہد نشاط افزاید ــ دوسہ روز است کہ نگارش روداد امیر تیمور گورگاں کراں پذیرفت ، حالیا خوردرا بوعدۂ دو ھفتہ آرامش سرو بخشیدہ ام پس ازاں کہ دم گرفتہ خواھد شد بسر گذارش حال بابر بادشاہ رفتہ خواھد شد ۔ باللہ فکر ایں نثر از فکر نظم لختے جانگداز تراست ۔ روز عید قدمبوسیٔ مولانا دست بہم داد نوازش فرمودند و نثر را ستودند ـــــ شاہ گردوں بارگہ بہ مزار فائض الانوار قطب الاقطاب روے آوردہ ، و احترام الدولہ نزد[1] بادشاہ است ۔ اگر اتفاق آفتاد من نیز می روم و دوسہ روز دریں جا روے شفقے و رنگ ھوامی نگرم ۔ چکنم تا آنچہ نبشتہ ام بشما برسد ، ودیگر ھرچہ می نوشتہ باشم ورق ورق بنظر انوری گذشتہ باشد ــــــ ورقے چند کہ نواب فخرالدین خاں نبشتند (کہ) نزد ایشاں ہستند۔ تا آنچہ فراہم می آید می نوشتند وآں اوراق صورت کتاب یافت ۔ (غالباً ستمبر ۱۸۵۰ع)

(۹) بنام مصطفی خاں شیفتہ :

یا رب ایں نامہ کہ ازوالیٔ لاابالی و مولاے فارغ از موالی بمن رسید از نگرانی چہ کاست و ذر آگہی چہ افزود مگر دانستم کہ برام پور کے رفتند و چند روز انجمن آرا بودند ، و کے باز آمد ند ، و بدھلی کے خواھند آمد ، ایں ھا ھمہ بر کنار ، آہ از من کہ ندانستہ باشم کہ چہ حال دارند ، و مرض (کہ) پیش ازیں داشتند، و حالیا نصیب اعدای دولت باد،

---

۱ - اصل : نیز

چہ صورت دارد - این رنج کہ مرا نیز روزگارے دراز در آزار داشتہ، لختی گران[1] بہاست ، فضل و کرم است ، و خواجہ عشرت دوست یزدان نگہبان باد ، و جان (و) تن توانا ، عیش و عشرت مہیا ، با آن کہ سخن ازاں شرحاً نگذشت[2] (کذا)، و ثنا بدعا منتہی گشت؛ ہنوز جنبش نفس دست بر لب می زند، و مراہم بداں ہنجار بہ نوامی آورد : ہاں اے داور ، چوں گویم ، کہ بیداد گر ہمیں است کہ نگویم ـــ داد گر ، این چہ اداست کہ باحصال عبارت نامہ (کذا) جز یک دو بذلہ ، بتوجہ مشابہ، (کذا) احباب ، بزبان قلم سخن ہامی رود ، گوئی ما وشما موجد این شیوہ و مخترع این ادائیم ـــ من بداں در خورم کہ مرا بیک لطیفہ و چند لفظ لدسز (کذا) وا کنند ـــ ندانستند کہ جگر تشنۂ دیدارم ، نپنداشتند کہ جویاے اخبارم[3] ، نیدیشیدند[4] کہ (خیر) خواہ جاں و تن شہاستم- نسنجیدند کہ تا غالب سر گذشت سفر رامپور نخواہد شنود ، نتواند آسود ـــ نفہمیدند کہ وعدۂ دیدارے می خواہد ' نخواستند کہ از حال غلام علی خان سر سخن را نند، باللہ شگفتی فروماندم و نشگفت (کذا) کہ استعجاب مرا عجبی ندارند ـ بارے بندگی و بچارگی ـــ از ہمہ قطع نظر کردم۔ ہائے شاعر ریختہ گوے کہ ندانم کیست چہ خوش می گوید

ظالم تو میری سادہ دلی پہ تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

---

۱ - اصل : گرانہا - ۲ - اصل : سرخانہ گذشت -
۳ - اصل : اختیارم - ۴ - اصل : نیستم سد مد -

صلح می کنم بدیں کہ از حال مزاج مقدس اولاً و از ورود دھلی ثانیاً آگہی بخشند۔ زیادہ بندگی بیچارگی۔نبشتہ صبح چہار شنبہ ۸ مئی ۱۸۵۰ع

(۱۰) بنام منشی نبی بخش اکبر آبادی :

شفیق مکرم و مطاع معظم، از درویش گوشہ نشین، اسداللہ حزیں، پس ازاں کہ سلام خوانند، ورود رافت نامہ راکہ فرستادہ، خاطر نشان خویش گردانند۔ فرداول ستم زدہ را با خیال آویزشے بود، و نارسیدن نامہ ازاں سوی لختے مشوش داشت۔ امروز ھمیں دم کہ نیم روزاست، بریدڈاک آمد و نامہ آورد۔ خواندن ھماں بودو بپاسخ نگاری نشستن ھماں۔ چوں کار پرداز ان ڈاک دکان پگاہ می کشایند، وپس ازگذشتن نیمہ روز نامہ نمی ستانند، ھر آئینہ ایں ورق کہ امروز نگاشتہ ام فردا چاشت بہ ڈاک خواھم فرستاد۔ بارے آں کہ حال من پرسیدہ اند، و غزل از من طلب کردہ اند، باور دارند کہ دل بجاے بود، زبان زمزمہ سراے بود، آکنوں کہ دل آں چناں آفسرد کہ گوئی مرد چہ بجوش آید، تالب در خروش۔ نمی نگر ند کہ ھم ازیں حکام کہ مرابر سر و چشم می نشاندند چہ رفت و معاش من صورت معاد کفار گرفت۔ بسخن چہ گرویم و تاچند باد پیمائیم، دومہ روزامت کہ بے رونقی کار خود را در نظرمی سنجیدم، بیتے کہ تخلص نیز داشت، بے خواست بر زبان گذشت، تازہ اگر ھست ھمیں است و بس

گفتنی نیست کہ بر غالب ناکام چہ رفت
می تواں گفت کہ ایں بندہ خدا وند نداشت

از آلام جسمانی اگرچہ فراوان است، تالم (و) اندوہ روحانی

ست کہ دل و جگر راباہم می زند ۔ آفوض أمری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد ۔ جلیل القدر تفتہ سلمہ اللہ تعالی ندانم کجاست ، غزلیات آں شمع بزم سخن وری بشامی فرستم ، می توان رساندو می توان گفت کہ رباعیات بعد ازیں خواهد رسید ۔ عبدالقاهر اسد اللہ نگاشتہ شدہ ۱۶ ستمبر ۱۸۴۸ع

(۱۱) بنام لالہ هرگوپال تفتہ :

مہربانا رافت نشانا ۔ فهرست متاع کارخانۂ خیال ، یعنی کلیات آں عدیم المثال رسید ، واز رسیدنش رواں آسائی آمد ، ازدیر باز بسوے شمانگراں بودم ، وچوں مسکن و مقام شما ، در نظر نداشتم ، نامہ نتوانستم فرستاد ۔ شماراچہ براں داشت کہ نامہ نفرستادید و از حال خودم آگہی ندادید ۔ بارے ازیں التفات نامہ بداں وا رسیدم کہ شمارا عافیت حاصل ومرا در دل شما جاے ہست ۔ کلیات رامی نگرم و برخود لازم گرفتہ ام کہ سراسر نگرم ، ودر حک و اصلاح خودرا معاف ندارم ، اما ایں کار زودی بسر انجام نہ پذیرد ، لاجرم اگر درنگ روے دهدملول نشوند ۔ حالیا دو جلد دیوان فارسی بہ سبیل پارسل بعد اداے تمغاے ڈاک می فرستم ، و نامہ بنام نامی مشفقی منشی نبی بخش سرشتہ دار عدالت فوجداری کول ، اهم هست ۔ نشگفت کہ شمارا بامنشی صاحب آشنائی باشد ، و اگر هم نباشد ، بدیں تقریب آشنامی تواں شد ، می تواں رفت ، و نامہ کہ باسم سامی ایشاں است بایک جلد دیوان می تواں برد ، و نامہ و کتاب رساند ۔ می توانستم بدیں بزرگوار کتاب جدا گانہ فرستادن ، اما خوشترآں دیدم کہ بشما فرستم ، عمرے است کہ آوازہ خجستگی خوی وفرخی نہاد مکرمی منشی ظہور علی

صاحب دام بقاؤه می شنوم ، و از ارادت مندان آن صاحب دل دیده ورم ، چشم دارم که برمن سپاس نهند و از من سلام نیاز و شوق بدان حضرت عرصه دهند ـــــــــ دیگر ، آن سپهر سخن را ماه دو هفته ، یعنی لاله هرگوپال تفته ، از شما آن خواهم اگر زود زود نبود ، گه گاه بفرستادن نامه شادم دارید ، من خود وعده می کنم که بعد یک ماه اجزاے دیوان شمارا ، بطریق پارسل بشما خواهم فرستاد ، ازاں پس رسم وراه نامه نگاری میانه هم برهم نخواهد خورد ۔ از اسد الله نامه سیاه نگاشته بست (و) هشتم جمادی الاوّل ۱۲۶۳ ھ مطابق دو از دهم مئی ۱۸۴۷ع ۔

(۱۲) بنام مولوی فضل الله :

حضرت سلامت ۔ ایں داوری که در پیش است ، چوں سرو بن بودنش بجاے خویش است ، ایں مایه درنگ برنمی تابد ۔ لختے میر قاسم علی صاحب را دلیر ساخته آید ، و نبذے خود از راه التفات پر داخته آید ، من و ایمان من ، که برمن اندوه ایں درنگ گران است ، و دل خود پیش ازاں که ایں بار بروے نهد ، ناتوانست ۔ و السلام خیر ختام اسد الله ۔

مضمون لفافه ایں رقعه

چوں نامه بر جاده شناس منزل مقصود نیست ، آمید که یکے از خواجه تاشان غالب یعنی عزیزے از ملاز مان حضرت مولوی صاحب قبله جناب مولوی محمد صدر الدین خاں بهادر ، ایں نامه رابه مخدومی مکرمی ، مظهر اسم خویشتن ، لیکن نه از بهرمن ، جناب مولوی فضل الله صاحب ، زاده لطفه ، می رساند و منت بر فرستنده نهد ۔

(ج) لفظیات

(خط نمبر۲) سپری گشتن : ختم ہونا ، گذرنا

سمندر : ایک فرضی کیڑا ، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آگ میں رہتا ہے اور وہی اس کی غذا ہے یہ سم (آگ) اور اندروں کا مرکب ہے ، مخفف ہو کر سمندر ہو گیا ہے -

(خط نمبر ۳) رواں پروری : جاں پروری ، مراد نوازش

بر گردیدن : پلٹنا ، واپس ہونا

(خط نمبر ۴) طرف گشتن : مقابل ہونا ، برداشت کرنا

فراسیدن : پہنچنا ، پا لینا (بات کی تہ کو)

کاہل قدمی : کوتاہ قدمی

(خط نمبر ۵) کراں پذیرفتن : انجام پانا ، مکمل ہونا

خوردہ گرفتن : نکتہ چینی کرنا

ستوہ : اجیرن ، بیزار

دم سردی : بے دلی

(خط نمبر ٦) خواستار : خواہندہ ، چاہنے والا

(خط نمبر ۷) روز سعد اکبر : مبارک ستارے کا دن - علم نجوم کی رو سے زہرہ VENUS کو سعد اصغر اور مشتری

JUPIERT کو سعد اکبر کہا جاتا ہے - یہاں مراد پنجشنبہ جو مشتری کا دن ہے -

میر بساط : سردار، سرغنہ (یہاں بدمعاشوں کا سرخیل مراد ہے) بساط سے جوئے کی پھڑ بھی مراد ہو سکتی ہے -

(خط نمبر ۸) آرامش : آرام (بکسر چہارم)

(خط نمبر ۹) نگرانی : انتظار ، پریشانی

شگفت : بکسر اول و دوم۔ حیرت تعجب،

(خط نمبر ۱۰) آویزش : الجھنا

معاش : زندگی

معاد : مرنے کے بعد کا معاملہ ، آخرت

تالم : ایذا

عبدالقاہر : قہر کرنے والے کا بندہ - یہاں غالب نے اپنے لیے یہ نام طنزاً استعمال کیا ہے اور قہر کے وہ معنی سمجھے ہیں جو اردو میں رائج ہیں - عربی میں قاہر کا مفہوم "پورا غلبہ رکھنے والا" ہے -

(خط نمبر ۱۱) رواں آسائی : روح کی طمانیت ، خوشی

معاف داشتن : کوتاہی کرنا

تمغاے ڈاک : غالباً ڈاک محصول کے ٹکٹ
مراد ہیں

(خط نمبر ۱۲) داوری : محاکمہ ، قضیہ

مروبن : ایک تناور درخت کا نام، مجازاً
معاملے کی اہمیت اور بڑائی کا
اظہار ، (یا انجام و آغاز ؟)

برتافتن : جھیلنا (مجازاً مراد ہے)

نوٹ : ان الفاظ کا مطلب متعین کرنے میں ایف اسٹائن گاس کی ”پرشین انگلش ڈکشنری،، گیلانی کی فرہنگ گیلانی اور حلیم کی لغات سے استمداد کی گئی ہے)

(د) اُردو ترجمہ

(۲) بنام شیفتہ

جناب عالی ، کل کی گرمی میں ، جس سے رگوں میں خون جل رہا تھا اور ہڈیوں میں مغز پگھلا جاتا تھا ، پیاس کی شدت اتنی عام تھی کہ سمندر نے جب تک اپنے تئیں آگ سے نکال کر پانی میں نہ ڈال دیا ہوگا چین نہ پایا ہوگا ۔ چوں کہ میری عادت ہے کہ ایک ایک گھونٹ پانی پیتا رہتا ہوں ، آپ کو ہر وقت یاد کرتا رہا ، پیاس سے اگر دل ایک بار تڑپا تو آپ کی یاد سے سو بار تلملایا : (شعر)

عاشقی میں کوئی بھی میری طرح اپنے ہم پیشہ کو پسند نہیں کرتا
میں اگر آب شیریں بھی پیتا ہوں تو مجھے کوہ کن یاد آجاتا ہے

بارے یہ بتائیے کہ دن کیسے گذرا اور رات کیوں کر کٹی۔خاں صاحب نے کیا تجویز کیا ہے ؟ آپ نے کل اور آج کون سی دوا پی ہے ؟ دوسرے یہ کہ اگر میں زندہ رہا تو کل کہاروں کو بھیج دیجیے تا کہ مجھے لے جائیں ۔ والسلام۔
از اسداللہ

(۳) بنام شیفتہ :

خداوند نعمت کے قربان جاؤں ، جاں پروری کا شکریہ ادا کرتا ہوں ، عطیہ لانے والے نے پوچھنے پر کچھ اور بھی دیا ، یعنی آپ کی صحت اور مزاج مبارک کی عافیت کا مژدہ سنایا ، جسے میں نے بطور استعارہ یوں ادا کیا ہے ۔ کل جمعہ ہے ، بادشاہ کے دربار میں جاؤں گا ، امید ہے کہ واپسی میں آپ کی آستاں بوسی کروں گا ۔ حضرت سید کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیں ۔ والسلام ۔ از اسداللہ

(۴) بنام شیفتہ :

قبلۂ من ! چونکہ آپ نے روزے اور نیند کو ملا لیا ہے ، اور میں ان دونوں میں سے ایک کی بھی مقاومت نہیں رکھتا چہ جائیکہ دونوں کا حریف بنوں ، اسی لیے معذرت پیش کر رہا ہوں تا کہ آپ سمجھ جائیں کہ اگر میں حاضر خدمت نہ ہوا تو کیوں نہ ہوا مجھے کس بات کا اندیشہ تھا ، ہاں بندہ پرور ، آج پانچواں دن ہے کتاب مسودہ واپس کر دیں اور مجھے ممنون فرمائیں ۔ کاش مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ جب یہ مولانا کی نظر سے گذری تو انہوں نے کس عبارت دلآویز کو پسند فرمایا ۔ امید ہے کہ مزاج مبارک کی کیفیت ، خصوصاً

اس شدت کی گرمی میں ، روزے کا حال تحریر فرمائیں گے ۔ شاید آپ نے حفظ صحت کا حق ادا اور روزہ قضا کیا ہو گا ۔ فقط
از اسد اللہ

(۵) بنام شیفتہ :

بندگی بھیجتا ہوں اور خواجہ کی دولت و اقبال کا دوام خدا سے چاہتا ہوں ۔ میں نے شاید آپ کو لکھا ہو کہ امیر تیمور کی جہاں ستانی کی روداد تحریر کی جا چکی ہے میں اسے خود دربار میں لے جا رہا ہوں ۔ آپ نے مجھ پر خوردہ گیری کی ہے کہ فلاں مہینے میں تو سبزہ اور آب رواں کی سیر کے لیے گیا تھا ۔ افسوس ، میرے ایسے انسان کو سیر و تماشا کا دماغ کہاں ہے ؟ یا اللہ میں بھلا کب گیا تھا —— ہاں یہ ہوا کہ جب احترام الدولہ بہادر شہر میں تشریف لائے تو میں ان کے پاس گیا اور وہ مسودہ جو کم و بیش چار جزو تھے ، ان کے حوالے کر آیا ۔ آپ کو معلوم رہے کہ میں غم سے اجیرن اور زندگی سے بیزار ہوں ۔ میں یہ کام بہت ہی بے دلی اور افسردگی کے ساتھ کر رہا ہوں ۔ گویا توسن قلم کی باگیں میرے قبضے میں نہیں ہیں وہ خود جدھر اور جیسے چاہتا ہے چلتا رہتا ہے ۔ مزاج مبارک کا حال ، جیسا مجھے گمان تھا وہی ہوا ، خدا پرہیز کی توفیق اور پرہیز کے ذریعے تندرستی عطا فرمائے ۔ نور چشم محمد علی خاں کو دعا ۔ والسلام ۔

(۶) بنام شیفتہ :

امید گاہ اہل معنی سلامت ۔ ریختہ تازگیٔ فکر کے نتائج میں سے ہے اور فارسی کی غزلیں جن کی ابتدا ریختہ سے پہلے ہوئی تھی ۔ آج رات کو تمام ہوئیں خدا را ان دونوں غزلوں میں

یہ نہ بھولیے کہ کس سے گفتگو ہے اور کیا کہا ہے؟ اب ان اشعار کی زینت اصلاح سے چاہتا ہوں اور اس کے لیے منت قبول کروں گا ، محض داد کا طلب گر نہیں ہوں ۔ آپ کی خوشی ، تندرستی اور شادکامی کا مژدہ سننا چاہتا ہوں اور بس ۔

(۷) بنام شیفتہ :

بدھ کے دن ، یعنی کل میں نے عرض کیا تھا کہ جمعہ کے دن مجھے دربار میں باریابی ملے گی اور خلعت و خطاب عطا کرکے اور نوکری کا فرمان صادر کرکے مجھے احسان مند کیا جائے گا ۔ لیکن احترام الدولہ بہادر نے اس شعر کے مصداق :

جنت کا وعدہ تو کل کا تھا ، مگر آج ہی نصیب ہو گئی
جی ہاں کریم لوگ ایسی ہی وعدہ خلافی کیا کرتے ہیں !

چنانچہ آج ہی ، کہ یہ بھی روز سعد اکبر ہے ، مجھے شہنشاہ کے دربار میں بلایا اور خلعت و خطاب و فرمان سے سر فراز کیا ۔ کل کوتوال شہر نے مجھے "بدمعاش" اور "سرغنہ" لکھا تھا ، تو میرا کچھ نہ گھٹا تھا ، آج بادشاہ نے نجم الدولہ اور دبیر الملک کا خطاب دیا ہے تو کچھ بڑھ نہیں گیا ۔ اب فرد اے قیامت میں دیکھنا ہے کہ مجھے کیا لکھا جاتا ہے ، کس نام سے پکارا جاتا ہے اور وہاں میری کیا ارزش ہوتی ہے ۔ خدا کے لیے آئیے اور جلدی آئیے تا کہ آپ شاہی فرمان اور اس روسیاہ کی تحریر دیکھ لیں ۔ والسلام الوف الاحترام ۔

جمعرات ۲۳ شعبان ۴ جولائی ۱۸۵۰ع

(باز نوشت) پوشیدہ نہ رہے کہ سرکار شاہ میں میرا تقرر اسی مہینے کی پہلی تاریخ سے اس خاندان کے اسلاف کی تاریخ لکھنے پر ہوا ہے ۔ پچاس روپے تن خواہ ہو گی ۔ اور زر تن خواہ کی وصولی سال میں دوبارہ ہو گی ۔ فقط ۔

(۸) بنام شیفتہ :

خدا کا شکر اور احسان ہے کہ آپ واپس تشریف لے آئے اور اپنے نور چشم کو دیکھ لیا ۔ چوں کہ اب گرمی ختم ہو چلی ہے اور ہوا بھی کچھ ٹھنڈی ہو گئی ہے ، امید ہے کہ آپ کے مزاج میں اب اعتدال آ گیا ہو گا اور جتنی گرمی گھٹتی جائے گی آپ کی صحت عود کرتی جائے گی ۔ دو تین دن ہوئے کہ امیر تیمور گورگان کی روداد لکھ کر نمٹا ہوں اب دو ہفتے آرام کروں گا ، پھر ذرا دم لے کر بابر بادشاہ کا حال لکھا جائے گا ۔ بخدا اس نثر میں نظم سے کچھ زیادہ ہی جانگداز کاوش کرنا پڑتی ہے ۔ عید کے دن مولانا کی قدمبوسی نصیب ہوئی ، انہوں نے نوازش فرمائی اور نثر کی تعریف کی ۔ شاہ گردوں بارگہ (ظفر) حضرت قطب الاقطاب کے مزار کی طرف (مہر ولی) تشریف لے گئے ہیں اور احترام الدولہ بادشاہ کے ساتھ ہیں ۔ اگر موقع ملا تو میں بھی جاؤں گا اور دو تین دن رہ کر وہاں کا موسم اور ہوا کا رنگ دیکھوں گا ۔ کیا تدبیر کروں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ آپ تک پہنچ جائے اور آگے جو کچھ لکھتا رہوں وہ ایک ایک ورق کرکے آپ کی نظر سے گزرتا رہے ۔ چند ورق جو نواب فخرالدین خاں نے لکھے تھے وہ انہیں کے پاس ہیں اور جو کچھ ملتا رہتا ہے لکھتے رہتے ہیں تا آں کہ آن اوراق نے کتاب کی صورت اختیار کر لی ۔

(۹) بنام شیفتہ :

یا اللہ ـ یہ خط جولا آبالی ، اور غلاموں سے بے نیاز آقا کی طرف سے میرے پاس پہنچا ہے اس نے آخر میرے تردد میں سے کیا گھٹایا اور آگہی میں کیا اضافہ کیا ؟ پس یہ جانا کہ

رامپور کب گئے اور چند روز وہاں انجمن آرا رہ کر کب واپس آئے ، اور دہلی کب آئیں گے ۔ یہ سب باتیں ایک طرف۔حیف ہے مجھ پر جسے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اب مزاج کا کیا حال ہے ، جو مرض پہلے تھا ، اور خدا کرے اب دشمنوں کے حصے میں آیا ہو ، اس کی کیا کیفیت ہے ؟ [اس رنج[1] نے مجھے بھی بہت دنوں تک آزار پہنچایا ہے اس لیے زیادہ تردد ہے کیونکہ خدا کا فضل و کرم ہے اور آپ عشرت دوست واقع ہوئے ہیں ، اللہ ہی نگہبانی کرنے والا ہے ، جان و تن توانا اور عیش و عشرت مہیا ہیں بہر حال یہ بات کتابوں میں لکھی گئی اور تعریف دعا پر منتہی ہوئی ۔ (یہاں سے عبارت مغشوش ہے اور مطلب صاف نہیں نکلتا) . . . . ہاں اے خدا کیسے کہوں کہ بیداد گر یہی ہے جس کا میں نام نہیں لیتا . . . . (عبارت مغشوش) . . . . ہم تم اس شیوہ کے موجد اور اس ادا کے مخترع ہیں ۔ کیا میں اسی لائق ہوں کہ مجھے ایک لطیفہ اور چند باتوں (پر ٹرخا دیا جائے) ۔ آپ نے یہ نہ جانا کہ میں دیدار کا شدید پیاسا ہوں ، یہ نہ سمجھا کہ آپ کی مفصل کیفیت معلوم کرنے کا جویا ہوں ، یہ بھی دھیان نہ آیا کہ آپ کی جان و تن کا خیریت خواہ ہوں ۔ یہ نہ سوچا کہ غالب سفر رامپور کی سر گذشت سن کر آسودہ نہ ہو گا ۔ یہ نہ جانا کہ وہ دیدار کا وعدہ چاہتا ہے اور یہ بھی آپ نے نہ چاہا کہ

---

۱ ۔ یہاں سے آگے قوسین کی عبارت صاف نہیں ہے ، مطلب مشکل سے سمجھ میں آتا ہے ، میں نے محض اٹکل سے ترجمہ کیا ہے ممکن ہے اس میں مجھ سے غلطی ہوئی ہو ، اصلی فارسی عبارت پوری احتیاط کے ساتھ جوں کی توں نقل کر دی گئی ہے اور اختلافات حاشیے میں بتا دیئے ہیں ۔

غلام علی خاں کا کچھ حال لکھیں ۔ بخدا میں حیرت میں ڈوب گیا . . . .] بہر حال بندگی بے چارگی ۔ میں نے سب باتوں سے قطع نظر کی ۔ ہائے ایک شاعر ریختہ گو ، معلوم نہیں کون ہے ، کیا ہی اچھی بات کہہ گیا ہے :

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

اس پر صلح کرتا ہوں کہ مجھے پہلے تو مزاج مقدس کے حال سے پھر اپنے دہلی آنے کے ارادے سے آگا ہی بخشیں زیادہ بندگی بے چارگی ـــــ لکھا ہؤا ، بدھ کی صبح ، ۸ مئی ۱۸۵۰ع

(۱۰) بنام منشی نبی بخش حقیر :

شفیق مکرم و مطاع معظم ، درویش گوشہ نشین اسداللہ حزیں سے بعد سلام معلوم فرمائیں اور پھر اپنے بھیجے ہوئے عنایت نامے کے پہنچنے کا اطمینان فرمائیں ۔ کل دل ستم زدہ کو خیال سے کچھ آویزش تھی اور آپ کا خط نہ آنے سے قدرے تشویش تھی ۔ آج اسی وقت کہ دوپہر ہے ، ڈاک کا ہرکارہ آیا اور آپ کا خط لایا پڑھتے ہی جواب لکھنے بیٹھ گیا چونکہ کار پردازان ڈاک صبح کو دوکان کھولتے ہیں اور دوپہر کے بعد خطوط وصول نہیں کرتے اب لامحالہ یہ ورق جو آج لکھا ہے کل صبح کی ڈاک سے بھیجوں گا ۔ بارے یہ کہ آپ نے میرا حال پوچھا ہے اور مجھ سے غزل طلب کی ہے یقین کیجئے کہ دل ٹھکانے ہوتا ہے تو زبان بھی زمزمہ سنج ہوتی ہے اب تو دل اتنا بجھ گیا ہے گویا مر گیا ، تو جوش کہاں سے آئے جو لبوں کو جنبش ہو ۔ آپ نہیں دیکھتے کہ انہیں حکام

سے جو مجھے سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے مجھ پر کیا بیتی اور میری زندگی کافروں کی عاقبت جیسی ہو گئی۔ شاعری کی طرف دل کیا مائل ہو اور کیا باد پیمائی کروں ۔ دو تین روز ہوئے اپنے حال کی بے رونقی کا خیال کر رہا تھا ، ایک شعر جس میں تخلص بھی ہے بے ارادہ زبان پر جاری ہو گیا ' بس تازہ ہے تو یہی ہے : (شعر)

بیاں میں نہیں آسکتا کہ غالب ناکام پر کیا
گذر گئی بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس بندے کا خدا نہ تھا

آلام جسمانی بھی اگرچہ بہت ہیں لیکن اندوہ روحانی آن سے کہیں بڑھ گئے جو دل و جگر دونوں کو تباہ کر رہے ہیں - (عربی: میں اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں یقیناً خدا بندوں کے معاملات کو دیکھنے والا ہے) جلیل القدر تفتہ سلمہ کا حال نہیں معلوم کہاں ہیں ۔ اس شمع بزم سخن وری کی غزلیں تمہیں بھیج رہا ہوں آن تک پہنچا دیجئے اور یہ کہہ دیجئے کہ رباعیات اس کے بعد پہنچیں گی -

عبدالقاہر اسداللہ - لکھا ہوا - ۱۶ ستمبر ۱۸۴۸ء

(۱۱) بنام ہرگوپال تفتہ :

مہربانا ، راقت نشانا ، متاع کارخانہ خیال کی فہرست یعنی آں عدیم المثال (تفتہ) کا کلیات پہنچا - اور اس کے پہنچنے سے روح کو طمانیت ہوئی - بہت دنوں سے تمہارا منتظر تھا لیکن چونکہ تمہارے مسکن و مقام کا پتا معلوم نہ تھا ، خط نہ لکھ سکا ـــــ مگر تمہیں آخر کون مانع تھا جو تم نے خط نہ لکھا اور اپنے احوال سے مجھے مطلع نہ کیا - بارے اس الفات

نامے سے مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ تم خیریت سے ہو اور میرے لیے تمہارے دل میں جگہ ہے - کلیات دیکھ رہا ہوں اور میں نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا ہے کہ شروع سے آخر تک اسے دیکھوں اور حک و اصلاح میں قطعاً کو تاہی نہ کروں لیکن یہ کام جلدی نہ ہو سکے گا ، اگر دیر ہو جائے تو ملول نہ ہونا - اب یہ کہ دیوان فارسی کی دو جلدیں ڈاک کا محصول ادا کرنے کے بعد بھیج رہا ہوں اور ایک خط بھی مشفقی منشی نبی بخش سررشتہ دار عدالت فوجداری کول (علی گڑھ) کے نام ہے - عجب نہیں کہ تمہاری منشی صاحب سے شناسائی ہو اور نہ بھی ہو تو اس تقریب سے ہو سکتی ہے- ان کے پاس جاؤ اور جو خط ان کے نام کا ہے وہ اور ایک جلد دیوان اپنے ساتھ لے جاؤ اور یہ نامہ اور وہ کتاب انہیں دے دو - میں ان بزرگوار کو علیحدہ ڈاک سے بھی کتاب بھیج سکتا تھا لیکن یہی اچھا معلوم ہؤا کہ تمہارے پاس بھیج دوں - بہت دنوں سے خجستگی خوے وفرخی نہاد مکرمی منشی ظہور علی صاحب دام بقارہ کا آوازہ سن رہا ہوں اور اس صاحبدل دیدہ ور کے ارادت مندوں میں سے ہوں ، امید ہے کہ تم میرا سلام نیاز و شوق ان کی خدمت میں پہنچا کر مجھے ممنون کروگے--- اور سپہر سخن کے ماہ دو ہفتہ یعنی لالہ ہرگوپال تفتہ تم سے یہ بھی چاہتا ہوں کہ اگر جلد جلد نہ ہو سکے تو کبھی کبھی خط لکھ کر مجھے شاد کرتے رہا کرو - میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ماہ بعد تمہارے دیوان کے اجزا تمھیں پارسل کے ذریعے بھیج دوں گا اور رسم و راہ نامہ نگاری اس درمیان میں نہیں ٹوٹے گی - از اسداللہ نامہ سیاہ ، نگاشتہ ۲۸ جمادی الاول ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۸۴۷ع

(۱۲) بنام مولوی فضل اللہ :

حضرت سلامت ، یہ محاکمہ جو در پیش ہے ، بہت اہم ہے اور اتنی تاخیر کی تاب نہیں لا سکتا ، کچھ میر قاسم علی صاحب کو دلیر بنانا چاہیے اور کچھ خود آپ کو توجہ فرمانی چاہیے - میں ایمان سے کہتا ہوں کہ مجھے یہ تاخیر بہت شاق گذر رہی ہے اور دل اس کے بوجھ کا متحمل نہیں ہو سکتا - والسلام خیر ختام اسداللہ

اس کے لفافے کا پتا :

چونکہ نامہ بر منزل مقصود کو نہیں پہنچاتا امید ہے کہ غالب کے خواجہ تاشوں میں سے کوئی ، یعنی حضرت مولوی صاحب قبلہ مولوی صدر الدین خاں کی خدمت کے حاضر باشوں میں سے کوئی عزیز ، اس خط کو مخدومی و مکرمی مولوی فضل اللہ ، جو اسم بامسمی ہیں مگر میرے لیے نہیں کی خدمت میں پہنچا کر بھیجنے والے پر احسان کرے گا -

(۵) توضیحات

(خط نمبر ۱) :

ھرگوپال تفتہ کے نام غالب کا یہ خط جون ۱۸۵۴ع کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے ، کیوں کہ اس میں غالب نے چار مہینے سے تپ لرزہ میں گرفتار ہونے کا ذکر کیا ہے تفتہ کو ۲ مارچ ۱۸۵۴ کے مکتوب میں غالب نے لکھا تھا :

''منشی صاحب تمہارا خط اس دن ، یعنی کل بدھ کے دن پہنچا ، کہ میں چار دن سے لرزے میں مبتلا ہوں اور مزا یہ ہے کہ جس دن سے لرزہ چڑھا ہے کھانا نہیں کھایا ، آج

پنجشنبہ پانچواں دن ہے کہ نہ کھانا دن کو میسر ہے اور نہ رات کو شراب..... اشعار سابق و حال میرے پاس امانت ہیں بعد اچھے ہونے کے ان کو دیکھوں گا اور تم کو بھیجدوں گا۔ اتنی سطریں مجھ سے بہزار جر ثقیل لکھی گئی ہیں،، (رک: خطوط غالب (جلد اول) مرتبہ مہیش پرشاد، الہ آباد، ۱۹۴۱ع صفحہ ۲۶)

مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب ۲۶ فروری ۱۸۵۴ع کو لرزے میں مبتلا ہوئے تھے اور ہمارے پیش کردہ خط سے ظاہر ہؤا کہ بیماری کا یہ سلسلہ چار مہینے تک جاری رہا، اسی شہادت کی روشنی میں ہم نے (خط نمبر ۱) کا زمانہ کتابت جون ۱۸۵۴ع متعین کیا ہے۔ خطوط غالب مرتبہ مہیش پرشاد میں تفتہ کے نام خط نمبر ۲۵ (مکتوبہ ۲ مارچ ۱۸۵۴ع) اور خط نمبر ۲۶ (مکتوبہ جولائی ۱۸۵۴ع) ہے، گویا اس عرصے میں تفتہ و غالب کے درمیان بہت کم خط و کتابت رہی۔ یہ خط مجموعہ مکاتیب میں شمول کے وقت باعتبار زمانہ ۲ مارچ ۱۸۵۴ع کے خط کے بعد آئے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ نے اپنے دیوان فارسی کا مسودہ نظر ثانی و اصلاح کے لیے غالب کے پاس بھیجا تھا تفتہ بہت پرگو شاعر تھے، کثرت سے اپنا کلام اصلاح کے لیے بھیجتے تھے۔ غالب بھی اُن کی زود گوئی سے تنگ تھے اور بلطائف الحیل ٹالتے رہتے تھے، بلکہ گھبرا جاتے تھے۔

"کول تو معلوم مگر مکان آپ کا نہیں معلوم،،: کول، علی گڑھ کا قدیم نام ہے۔ مکان نہ معلوم ہونے سے قیاس ہوتا ہے کہ تفتہ اسی زمانے میں علی گڑھ گئے ہوں گے یا انہوں

نے اپنا مکان تبدیل کیا ہوگا - اس خط سے ضمناً یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ تفتہ ۱۸۵۴ع میں علی گڑھ کے کس محلے میں سکونت پذیر تھے - [تفتہ کے حالات کے لیے رجوع کیجیے مالک رام : تلامذۂ غالب صفحات ۶۳ تا ۶۶]

(خط نمبر ۲) :——نمبر ۲ سے ۱۰ تک فارسی کے آٹھ رقعات نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ ، و حسرتی کے نام ہیں - غالب انہیں اکثر فارسی ہی میں لکھتے تھے - چناں چہ ایک جگہ خواجہ غلام غوث بے خبر کو لکھتے ہیں :

"آپ کو معلوم رہے کہ منشی حبیب اللہ ذکا اور نواب مصطفی خاں حسرتی کو کبھی آردو خط نہیں لکھا . . . . نواب صاحب کو یوں لکھا جاتا ہے: کہار آیا ، خط لایا ، آم پہنچے کچھ بانٹے ، کچھ کھائے - بچوں کو دعا ، بچوں کو (کی ؟) بندگی . . . ." (خطوط غالب مرتبہ مہر ۳۴۷)

لیکن یہ صحیح نہیں کہ کبھی آردو خط نہیں لکھا ، خود عود ہندی میں نواب محمد مصطفی خاں شیفتہ کے نام ایک اردو خط شامل ہے (رک : خطوط غالب مرتبہ مہر/۵۷۹)

زیر بحث خط میں گرمی کی شدت اور شیفتہ کی بیماری کا ذکر ہے - شیفتہ سوداوی مزاج کی وجہ سے اکثر احتراق دم وغیرہ کی بیماری میں مبتلا رہتے تھے (رک : خط نمبر ۹)

خاں صاحب سے یقیناً شیفتہ کے معالج مراد ہیں اور وہ حکیم امام الدین خاں ، حکیم احسن اللہ خاں یا حکیم محمود خاں میں سے کوئی ہو سکتے ہیں - قرینہ یہ کہتا ہے کہ حکیم احسن اللہ خاں کی طرف اشارہ ہے -

(خط نمبر ۳) :۔۔۔اس خط میں کسی تحفے کی رسید دی ہے۔ شیفتہ اکثر ہدایا بھیجتے رہتے تھے۔ آم چونکہ غالب کو مرغوب تھے اور شیفتہ اکثر بھیجا کرتے تھے، نیز یہ خط موسم گرما میں لکھا گیا ہے اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ آموں کا تحفہ آیا ہوگا۔ یہ خط جمعرات کے دن لکھا گیا ہے اور اگلے دن دربار میں حاضری دینے کا ذکر ہے۔ غالب ہر جمعے کو بہادر شاہ ظفر کے دربار میں باریاب ہؤا کرتے تھے حضرت سید سے کون بزرگوار مراد ہیں، وثوق سے نہیں کہا جا سکتا۔

(خط نمبر ۴) :۔۔۔یہ رقعہ ماہ رمضان کا لکھا ہؤا ہے اور اس میں جس مسودۂ کتاب کا ذکر ہے وہ قریب بہ یقین ہے کہ مہر نیمروز کے اوراق ہوں گے۔ مولانا سے دو ہی شخصیات مراد ہو سکتی ہیں! مولانا فضل حق خیر آبادی یا مفتی صدرالدین خاں آزردہ۔ میرا قیاس ہے کہ یہ رقعہ اواخر جولائی یا اوائل اگست ۱۸۵۰ء کا لکھا ہؤا ہے۔

(خط نمبر ۵) :۔۔۔اس خط میں غالب نے امیر تیمور تک کی روداد اتمام پذیر ہونے کی اطلاع دی ہے۔ غالب جولائی ۱۸۵۰ء میں تاریخ نویسی اسلاف کی خدمت پر مامور ہوئے تھے (رک : خط نمبر ۷) ابتداً یہ طے ہوا تھا کہ امیر تیمور سے بہادر شاہ ظفر تک کے حالات لکھے جائیں گے۔ جب غالب نے ہمایوں تک کے حالات لکھ لیے (مارچ ۱۸۵۱ء) اور تاریخی کتابوں کی چھان بین کی کھکھیڑ ان سے برداشت نہ ہو سکی تو انھوں نے یہ شرط لگائی کہ مواد حکیم احسن اللہ خاں فراہم کرکے دیں اور میں بطور خود اسے فارسی نثر میں منتقل کرتا

جاؤں ۔ اس مرحلے پر بہادر شاہ نے یہ حکم دیا کہ ابتدائے آفرینش عالم سے تاریخ کا آغاز ہونا چاہیے ۔ غالب نے اب مجوزہ تاریخ "پرتوستان" کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ۔ پہلا حصہ ابتدائے عالم سے ہمایوں بادشاہ تک اور دوسرا عہد اکبری سے دور ظفر تک جلد اول کا نام "مہر نیمروز" اور دوم کا "ماہ نیم ماہ" رکھا گیا ۔ غالب نے اگرچہ مارچ ۱۸۵۱ع میں امیر تیمور سے ہمایوں تک کا حال لکھ لیا تھا (رک : نادرات غالب ۸) لیکن بعد میں انہیں ابتدائے عالم سے تیمور تک کے حالات لکھ کر اضافہ کرنا پڑا ۔ حکیم احسن اللہ خاں بڑی حالات فراہم کرنے میں ڈھیل دیتے رہے ۔ مارچ ۱۸۵۲ع تک کام تعویق ہی میں پڑا رہا (تفصیلات کے لیے رجوع : ذکر غالب (طبع سوم) صفحات ۱۴۷ تا ۱۵۲ نیز مقدمہ نادرات غالب صفحات ۵۰ تا ۶۲) مہر نیمروز کے بارے میں مولوی رجب علی کو ایک خط میں (مارچ ۱۸۵۲ع) غالب نے لکھا ہے :

"آں سواد جزوے چند بیش نیست . . . . از کشورکشایاں تا نصیرالدین سلطان ہمایوں سخن رانده ایم ۔ باقی داستان فرداست"

اس سے ظاہر ہے کہ وہ مارچ ۱۸۵۲ع میں عہد ہمایوں تک لکھ چکے تھے ۔ مہر نیمروز پہلی بار ۱۸۵۴ع میں فخر المطابع دہلی سے شائع ہوئی (ذکر غالب ۱۵۱)

مرزا کے خطوط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے جنوری ۱۸۵۱ع میں تیمور سے بابر تک کے حالات لکھ لیے تھے اور بارگاہ سلطانی میں پیش کرنے کے لیے مسودہ بھی صاف کرانے لگے تھے ۔ ۲ جنوری ۱۸۵۱ع کے ایک خط موسومہ منشی نبی بخش حقیر میں لکھتے ہیں :

"ہاں صاحب - اب بابر بادشاہ کا حال تمام لکھ چکا ہوں . . . . اب چھے مہینے پورے ہو چکے جولائی سے دسمبر ۱۸۵۰ع تک - اب میں دیکھوں یہ ششماہہ مجھے کیونکر ملتا ہے بعد اس کے ملنے کے اگر آئندہ ماہ بماہ کر دیں گے تو تو میں لکھوں گا ورنہ اس خدمت کو میرا سلام ہے ، ابھی بابر کا حال حضور میں نہیں بھیجا - کل مسودہ تمام ہوا ' صاف ہو رہا ہے - اب صاف کر کر دے دوں گا اور ماہ بماہ کی استدعا کروں گا - چھ ماہی آخر ہونے کو تھی اس واسطے متوجہ ہو کر میں نے اس کو تمام کیا - اس سبب سے فرصت تم کو لکھنے کی نہ ہوئی - (نادرات غالب ۸)

چونکہ غالب نے بابر کا حال یکم جنوری ۱۸۵۱ع تک لکھ لیا تھا اور مارچ ۱۸۵۱ع میں ہمایوں کی روداد بھی لکھ چکے تھے (رک : نادرات غالب ۱۱) اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ ہمارا پیش کردہ خط نمبر ۵ جنوری ۱۸۵۱ع سے بہر حال پہلے لکھا گیا ہے چونکہ اس میں بادشاہ اور حکیم احسن اللہ خاں کے "تفریح سبزہ و آب رواں" پر جانے کا اشارہ ملتا ہے اس لیے یہ برسات کا موسم ہونا چاہیے - بدیں اسباب میں اس خط کو اواخر اگست ۱۸۵۰ع کا نوشتہ سمجھتا ہوں -

اس میں محمد علی خاں کا حوالہ بھی ملتا ہے - یہ شیفتہ کے فرزند اکبر نواب محمد علی خاں رشکی ہیں جو ۱۸۴۴ع میں پیدا ہوئے- حالی انہیں کے اتالیق مقرر ہوئے تھے- رشکی اردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے اور غالب سے مشورہ کرتے تھے انہوں نے مئی ۱۸۹۹ع میں انتقال کیا - درگاہ حضرت نظام الدین میں دفن ہوئے - یہ مشہور شعر رشکی ہی کا ہے :

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

(تفصیلی حالات کے لیے رک : تلامذۂ غالب ۱۱۷)

(خط نمبر ۶) :—اس رقعے سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے اپنی دو تازہ غزلیں شیفتہ کو بھیجی تھیں -

(خط نمبر ۷) :—یہ خط بہت اہم ہے - یہ اسی روز لکھا گیا ہے جس دن غالب کو دربار ظفر سے خلعت و خطاب ملا ہے اور ان کی ملازمت کا فرمان جاری ہؤا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلعت و خطاب کے لیے ۵ جولائی ۱۸۵۰ یوم جمعہ طے ہؤا تھا ' لیکن انھیں ایک دن پہلے ہی ۲۳ شعبان مطابق ۴ جولائی ۱۸۵۰ع کو پنجشنبہ کے دن باریابی مل گئی - اس رقعہ سے اس غلطی کی تصحیح بھی ہو جاتی ہے جو غالب کے سہو قلم سے کلیات نثر فارسی (صفحہ ۲۷۱) میں رہ گئی ہے - وہاں غالب نے ۴ جولائی کی جگہ ۴ جون لکھ دیا ہے حالانکہ ۲۳ شعبان ۱۲۶۶ھ کو جمعرات کا دن اور جولائی کی چوتھی تاریخ تھی - لیکن اس رقعہ میں بھی ایک فروگذاشت یہ ہے کہ اپنا خطاب غالب نے پورا نہیں لکھا - انھیں "نجم الدولہ دبیر الملک" کے ساتھ نظام جنگ کا خطاب بھی عطا ہؤا تھا (رک : ذکر غالب ۸۹-۹۰) اس خلعت و خطاب اور قلعہ کی ملازمت سے غالب کو جو خوشی ہوئی تھی وہ اس خط سے ظاہر ہے - انھیں یہ احساس تھا کہ حادثہ اسیری نے جو داغ "بدمعاشی" و "میر بساطی" کا ان کے دامن پر لگایا تھا وہ کسی حد تک اس خلعت سے ڈھک جائے گا -

اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب اگرچہ ۴ جولائی ۱۸۵۰ء کو سلک ملازمت میں آئے تھے، مگر ان کا تقرر یکم جولائی ۱۸۵۰ء ہی سے تسلیم کیا گیا تھا اور سال میں دوبار تن خواہ ملنا طے ہؤا تھا، لیکن اس سے غالب کا کام کہاں چل سکتا تھا انہوں نے دیکھا کہ تن خواہ ۶-۶ مہینے میں ملتی ہے اور وہ بھی متصدیوں کی ہزار خوشامد کے بعد—اور معاش کا دار و مدار قرض پر ہے تو جنوری ۱۸۵۱ء میں، گویا ایک ہی قسط وصول کرنے کے بعد، انہوں نے وہ مشہور درخواست منظوم لکھی:

میری تن خواہ کیجئے ماہ بماہ
تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار

غالباً ان کی یہ درخواست منظور ہو گئی تھی۔

(خط نمبر ۸) :—یہ خط بھی شیفتہ کے نام ہے۔ اس میں ان کے کسی سفر سے واپس آنے کا ذکر ہے۔ اس میں امیر تیمور کی روداد مکمل ہو جانے کا حوالہ بھی ملتا ہے یہ غالب نے جولائی ۱۸۵۰ء ہی میں مکمل کر لی تھی۔

عید کے دن قدمبوسیٔ مولانا سے غالباً مفتی صدرالدین خاں آزردہ سے ملاقات ہونا مراد ہے۔ اگر یہ خط ۱۸۵۰ء کا مانا جائے تو اس سال ۱۰ جولائی کو عید ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ تحریر اگست ۱۸۵۰ء کے نصف اول کی ہونی چاہیے اس خط کے یہ فقرے: "چوں تموز بپایاں رسیدہ است و ہوا خنک گردیدہ" بھی یہی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ خط اگست ۱۸۵۰ء کا ہو سکتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر موسم برسات میں قطب جایا کرتے تھے اس خط میں اس کا حوالہ بھی ہے۔

فخرالدین خاں غالب کے مسودات صاف کیا کرتے تھے اکثر خطوط میں ان کا تذکرہ ملتا ہے ۔

(خط نمبر ۹) :۔۔۔ یہ خط بھی اسی زمانے کا ہے جب شیفتہ سفرِ رامپور سے واپس آئے ہیں (غالباً اگست ۱۸۵۰ع) اس میں شیفتہ کی عشرت دوستی کی طرف بڑے لطیف انداز میں اشارہ کیا گیا ہے ۔ وہ غالباً احتراق الدم کے مریض تھے اور شراب و شاہد کی دوستی نے اس مرض کو اور بھی استوار کر دیا تھا ۔ غالب کہتے ہیں کہ میں بھی اس آزار میں مدتوں مبتلا رہا ہوں اور آپ کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا ہے کیونکہ خدا کے فضل سے عیش و عشرت کے سارے ہی سامان مہیا ہیں اور جان و تن، توانا ہیں ۔ خدا ہی حافظ ہے۔ "اے داور چوں گویم کہ بیداد گر ہمیں است کہ نگویم" اس میں شیفتہ کے رمجو سے تعلقات کی طرف اشارہ ہے ۔ یہ اپنے زمانے کی ایک طرح دار عورت تھی ۔ (رک : تلامذہ غالب / ۱۷۸ حاشیہ) اور شیفتہ سے اس کے تعلقات کا حال اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے ۔ یہ شاعرہ بھی تھی اور نزاکت تخلص کرتی تھی ۔

اس میں غلام علی خاں کا بھی حوالہ ہے۔ ان کے بارے میں سردست کچھ کہنے سے قاصر ہوں ۔ اردو کا جو شعر نقل ہؤا ہے یہ قائم چاند پوری کا ہے (قلمی نسخہ انڈیا آفس لندن) یہ شعر غالب نے خواجہ غلام غوث بےخبر کو بھی ایک خط (مکتوبہ ۷ مارچ ۱۸۶۴ع) لکھا تھا :

"جناب عالی ، ایک شعر استاد کا مدت سے تحویل حافظہ چلا آتا ہے :

ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا

میں نے از راہ تصرف اس شعر کی صورت بدل ڈالی :

ان دل فریبیوں سے نہ کیوں اس پہ پیار آئے
روٹھا جو بے گناہ تو بے عذر من گیا . . .“

(خطوط غالب مرتبہ مہر ۳۲۹)

(خط نمبر ۱۰) :—منشی نبی بخش حقیر (متوفی ۱۸۶۰ع) کے نام یہ خط ۱۶ ستمبر ۱۸۴۸ع کا لکھا ہوا ہے اور اس خط پر تقدم زمانی رکھتا ہے جو کلیات نثر غالب فارسی میں شامل ہے (پنج آہنگ ۱۰۳) اور اسے میں اپنے مضمون ”حادثہ اسیری اور غالب“ (نقوش ۹۴ جولائی ۱۹۶۲ع) میں درج کر چکا ہوں ۔ اس میں غالب نے اپنا فارسی شعر :

گفتنی نیست کہ بر غالب ناکام چہ رفت
می تواں گفت کہ ایں بندہ خدا وند نداشت

لکھا ہے اور اسے ”تازہ ترین“ بتایا ہے ۔ اس خط کے اعتبار سے یہ شعر ۱۳ ستمبر ۱۸۴۸ع کا لکھا ہؤا ہے لیکن یہی شعر منشی نبی بخش کے موسومہ خط (مورخہ ۲۲ فروری ۱۸۴۸ع) کے آغاز میں نقل ہؤا ہے (کلیات نثر غالب فارسی ۱۰۳) اب یہ معما حل طلب رہا کہ جو شعر غالب نے ستمبر ۱۸۴۸ع میں لکھا ہے اور یہ بتایا ہے کہ دو تین دن قبل فی البدیہہ ہؤا تھا ، وہ انھوں نے فروری ۱۸۴۸ع کے خط میں کیسے لکھ دیا ؟ ہم نے جس بیاض سے یہ خطوط اخذ کیے ہیں اُن میں پہلے خط (مشمولہ پنج آہنگ) کے آغاز میں یہ شعر نہیں ہے ۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ کلیات نثر میں شمول کے وقت

غالب نے اس کا اضافہ کر دیا ہوگا جیسا کہ انھوں نے بعض الفاظ تبدیل کیے تھے اور آخر سے ریختہ کی غزل نکال دی تھی۔

یہ اختلافات محولہ بالا مضمون میں ظاہر کر چکا ہوں۔

یہ خط حادثہ اسیری کے بعد لکھا گیا ہے اور اس زمانے میں غالب کے دل و دماغ پر حزن و ملال کے جو اثرات مستولی تھے وہ اس خط میں بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ اس فارسی شعر میں بھی اسی حزن و یاس کا غلبہ ہے۔ اسی مفہوم کو اردو میں انھوں نے یوں ادا کیا ہے:

زندگی اپنی جب اس رنگ سے گذری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

(دیوان غالب نسخہ عرشی ۲۳۴)

اس شعر کے سلسلے میں ملاحظہ ہو: مولانا امتیاز علی عرشی کا مضمون "دیوان غالب کا ایک اور نسخہ" مطبوعہ نقوش لاہور ۸۱، ۸۲ جون ۱۹۶۰ع۔

نبی بخش حقیر کے حالات کے لیے رجوع: تلامذہ غالب ۹۴ و بعد۔ نادرات غالب ۱۷ و بعد۔

(خط نمبر ۱۱): — آفاق دہلوی نے لکھا ہے کہ: "تفتہ نے اپنا پہلا دیوان ۱۸۴۸ع کے آغاز میں مکمل کر لیا تھا۔ اس کے دیباچے کے لیے انھوں نے غالب کو لکھا، غالب نے اپنی روش کے مطابق اس کا دیباچہ لکھ دیا، تفتہ کو یہ دیباچہ پسند نہ آیا اور شکایت کی کہ آپ نے میری ہجو ملیح لکھی ہے۔ غالب اس سے بہت آزردہ ہوئے" (نادرات غالب ۲۲)

اس فارسی خط سے جو ہرگوپال تفتہ کے نام ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۴۷ع کے وسط میں تفتہ نے اپنا "کلیات فارسی" غالب کو نظر ثانی کے لیے بھیجا تھا۔ یہ خط اس لیے اور بھی اہم ہے کہ شاید اسی کے ذریعے تفتہ اور منشی نبی بخش حقیر کا تعارف ہؤا تھا۔ ان دونوں حضرات کے تعلقات پر بحث کرتے ہوئے آفاق دہلوی نے لکھا تھا :

"ان دونوں کے باہمی مراسم کی ابتدا کا حال معلوم نہ ہو سکا اور نہ یہ اتنا اہم ہے۔ نبی بخش بھی آگرے کے رہنے والے تھے، تفتہ کا بھی اکبر آباد سے کچھ تعلق تھا، ممکن ہے ان حضرات کے آبائی تعلقات ہوں اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ ان دونوں صاحبوں کی باہمی ملاقات کی تقریب کوئی ادبی صحبت یا ذوقِ سخن کی مطابقت ہو" (نادرات غالب ۲۲) غالب کے اس خط سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ انہیں غالب ہی نے باہم متعارف کرایا تھا۔

اس خط میں غالب نے دیوان فارسی کے دو نسخے بھیجنے کا ذکر کیا ہے اس سے صریحاً دیوان فارسی کا وہ ایڈیشن مراد ہے جو ۱۸۴۵ع میں نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں کی ترتیب و تصحیح کے ساتھ مطبع دارالسلام دہلی سے شائع ہؤا تھا۔

منشی ظہور علی، علی گڑھ کے صدرالصدور تھے، تفتہ کے ان سے بہت گہرے تعلقات تھے ان کے ایک فرزند محمد سلیمان کا انتقال ہو گیا تھا اس کی "یادگار" کے لیے ظہور علی نے تفتہ سے مثنوی سنبستان (بطرز بوستان سعدی) لکھوائی تھی۔ سنبلستان میں جا بجا ظہور علی کا ذکر ملتا ہے :

زما نیکہ گشتش دہ و ہفت سال
زگردوں بسے داشتم خستہ حال
گذر اتفاقاً بکول اوفتاد
شوی شادگر بشنوی روئداد

کہ مردے نکو سیرت وحق تلاش
صفائے درونش بروں از قیاس
اگر پر سیم نامش از خوشدلی
خود اول ظہور است و آخر علی

ظہور علی بہت دنوں سے تفتہ کی ملاقات کے مشتاق تھے جب انھیں معلوم ہؤا کہ وہ کول (علی گڑھ) میں آئے ہوئے ہیں تو انھوں نے اپنے فرزند وارث علی کو بھیجا ، تفتہ ان کے ساتھ ملاقات کے لیے گئے - وہاں حال و قال کی محفل برپا دیکھی ، تفتہ کو دیکھ کر مولوی ظہور علی کھڑے ہو گئے اور انھیں گلے سے لگا لیا - پھر اصرار کیا کہ تم میرے پاس ہی قیام کرو - تفتہ راضی ہو گئے اور ان کے لیے ایک مکان خالی کر دیا گیا - منشی ظہور علی کی درویشی اور خدا پرستی کی تفتہ نے بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کی توجہ سے میرے لڑکے امراؤ سنگھ کو محکمہ دیوانی میں ایک اچھی ملازمت بھی مل گئی -

کتاب سنبلستان جو ۱۲۷۷ھ میں تصنیف ہوئی ، دراصل مولوی ظہور علی کی فرمائش ہی پر لکھی گئی تھی اور اس کے دو مطلب تفتہ نے لکھے ہیں :

نہ بے مطلب این جہد کردم بجاں
دو مطلب مرا نیز بود اندراں

یکے آں کہ غیر از غزل مثنوی
نگفتم ہنوز از طریق نوی
دگر ایں کہ ماندز راہ و داد
سخن از محمد سلیمان یاد

یہ ۱۳ ابواب پر مشتمل ہے - پانچویں باب میں شاعروں کی حکایات، اور بارھویں میں خود تفتہ کے حالات ہیں - اس میں متعدد حکایات منشی ظہور علی سے متعلق ہیں یا ان سے روایت کی گئی ہیں -

(خط نمبر ۱۲)——مولوی فضل اللہ کے حالات تفصیل سے معلوم نہیں ہوتے - ان کے نام شیفتہ کا بھی ایک خط ملتا ہے (دیوان ورقعات حسرتی ۵۱-۵۲ طبع ۱۸۸۷ع) نظر بظاہر یہ منشی فضل اللہ برادر منشی امین اللہ (عرف اموجان) دیوان الور ہیں - جن کے نام غالب کا ایک خط کلیات نثر فارسی (پنج آہنگ) میں اور ایک "باغ دودر" میں بھی ملتا ہے (ص۱۲۷)- ان کا ذکر مرقع الور مؤلفہ محمد مخدوم تھانوی(ص ۱۵۱ وبعد طبع ۱۸۸۹ع) میں بھی ہے :

"منشی امو جان نے عہدہ بخشی گری اپنے بھائی انعام اللہ خاں کو دیا تھا اور فضل اللہ خاں برادر خورد خود کو کاروبار متعلقہ دیوانی میں شریک کیا تھا - یہ شخص فضل اللہ خاں بڑا فسادی تھا اور شر کا ابتدا سے عادی تھا . . . ."

میر قاسم علی آگرے اور ہاتھرس میں عہدۂ منصفی پر مامور رہے بعد ازاں صدرالصدور ہوئے- ان کا ذکر غالب کے اور خطوط میں بھی ملتا ہے (مثلاً نادرات غالب ۲۱ ، ۸۸)

جامع رقعات نے اس رقعے کا پتا بھی ساتھ ہی درج کر دیا ہے جو یقیناً دلچسپ ہے - اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط مفتی صدرالدین آزردہ کے توسط سے بھیجا گیا تھا -

(و) مراجع

کتب :- مہیش پرشاد : خطوط غالب جلد اول ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد ۱۹۴۱ع

غلام رسول مہر : خطوط غالب کتاب منزل لاہور (طبع دوم) سنہ ندارد

غالب : کلیات نثر غالب نولکشور لکھنؤ ۱۸۶۷ع

محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ : دیوان ورقعات حسرتی مطبع نیو امپریل لاہور ۱۸۸۷ع

تفتہ : سنبلستان مطبع نولکشور ناقص الاخر سنہ ندارد

محمد مخدوم تھالوی : مرقع الور مطبع آگرہ اخبار آگرہ ۱۳۰۷ھ

مالک رام : تلامذۂ غالب مرکز تصنیف و تالیف نکودر ۱۹۵۷ع

مالک رام : ذکرغالب (طبع سوم) مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۵۵ع

امتیاز علی عرشی : دیوان غالب (نسخہ عرشی) انجمن ترقی آردو ہند ۱۹۵۸ع

آفاق حسین آفاق : نادرات غالب مشہور پریس کراچی ۱۹۴۹ع

قائم چاند پوری : دیوان آردو (قلمی) مخزونہ انڈیا آفس لندن (ہندوستانی مخطوطات)

رسائل : سہ ماہی نوائے ادب بمبئی جلد ۱۳ شمارہ ۳ ، جولائی ۱۹۶۲ع -

رسالہ نقوش لاہور - شمارہ ۹۴ ، جولائی ۱۹۶۲ع -

رسالہ نقوش لاہور شمارہ ۸۱ ، ۸۲ جون ۱۹۶۰ع -

سہ ماہی معاصر (پٹنہ) حصہ اول ۱۹۶۳ع -

نوادر غالب (۲)

(ایک غیر مطبوعہ خط اور ایک قطعہ)

غالب کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور ہنوز دل کاوش کا تقاضا کرتا ہے - یہی سبب ہے کہ اب تک تلاش کرنے والوں کو کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے - اسی سال کے شروع میں غالب کے بارہ غیر مطبوعہ خطوط میں نے دریافت کرکے نقوش کے سال نامہ (۱۹۶۳ع) میں چھپوائے آج یہاں ان کے ایک فارسی خط اور ایک قطعہ تاریخ کا متن پیش کرتا ہوں -

غالب اور سرسید :

یہ خط سرسید احمد خان (۱۸۱۷-۱۸۹۸ع) کے نام لکھا گیا ہے۔ اس زمانے میں وہ "سر" تو نہیں ہوئے تھے۔ لیکن آخری تاجدار مغلیہ کے دربار سے انھیں "جواد الدولہ سید احمد خاں بہادر عارف جنگ" کا خطاب مرحمت ہو چکا تھا - سرکار انگریزی کی ملازمت میں منسلک ہونے کے بعد وہ مین پوری میں بہ حیثیت منصف مقرر ہوئے - وہاں سے ۱۰ جنوری ۱۸۴۲ع کو ان کا تبادلہ فتح پور سیکری کے لیے ہوا[1] - جہاں وہ چار برس تک منصف رہے - ۱۸ فروری ۱۸۴۷ع کو فتح پور سیکری سے دہلی تبدیل ہو گئے -

---

۱ - حالی : حیات جاوید - جلد اول/۱۱۱ (طبع اکادمی پنجاب لاہور)

اس خط کے عنوان میں سرسید کے "منصف فتح پور" ہونے کا ذکر ہے - اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ خط ۱۸۴۲ع کے بعد لکھا گیا ہے اور اس میں سرسید کے برادر بزرگ سید محمد (مالک سید الاخبار دہلی) کا بھی حوالہ ہے جن کا انتقال ۱۸۴۶ع میں ہوا[1] - اس طرح زمانہ کتابت ۱۸۴۲ع - ۱۸۴۶ع کے مابین قرار پاتا ہے -

اس خط کی شان نزول بظاہر یہ ہے کہ سرسید احمد خاں نے غالب کو غلام امام شہید[2] کے دو نعتیہ اشعار بھیج کر انھیں تضمین کرنے کی فرمایش کی تھی - اس پر غالب نے معذوری ظاہر کی ہے - اس کے دو سبب ہیں، ایک تو یہ کہ وہ فرمایشی چیزیں لکھنے سے طبعاً گھبراتے تھے - دوسرے یہ کہ غلام امام شہید اور ان کی شاعری کے بارے میں غالب کی رائے کبھی اچھی نہیں رہی - انھوں نے شہید کے اشعار کی تضمین کو اپنے لیے "دون مرتبت" سمجھا ہوگا - تیسرا سبب یہ بھی ہے کہ سرسید سے غالب کے تعلقات کبھی زیادہ مخلصانہ نہیں رہے - اسی خط کے لب ولہجہ سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے - جب انھوں نے سرسید کی پہلی تصنیف آثارالصنادید کے لیے تقریظ لکھی (۱۸۴۷ع) تو اس میں نری لفاظی تھی - مصنف کتاب کی مدح میں بہت کم تھا - بعد ازاں سرسید نے آئین اکبری کی تصحیح کرکے اسے چھپوایا (۱۸۵۶ع ۱۲۶۲ھ) تو غالب سے

۱- حالی : حیات جاوید جلد اول/۳۱ ۱ -(طبع اکادمی پنجاب لاہور)
۲ - الہ آباد کے باشندے تھے - ۵۷ سال کی عمر میں ۲ اکتوبر ۱۸۷۹ع کو دہیں انتقال کیا - شہید کے کوئی اولاد نہیں تھی (نادر روزنامچہ/۳۱) -

اس پر بھی کچھ لکھنے کی فرمایش کی ۔ غالب نے ۳۸ شعروں کی ایک مثنوی لکھ ڈالی ۔ جو کلیات نظم فارسی میں موجود ہے ۔ اسے سرسید نے کتاب میں شامل نہیں کیا بلکہ غالب کے پاس واپس کر دیا اور لکھا کہ ایسی تقریظ مجھے درکار نہیں ۔ کیونکہ اس میں غالب نے ابوالفضل اور آئین اکبری کے بارے میں اچھی رائے ظاہر نہیں کی تھی اور سرسید کو مشورہ دیا تھا کہ ان گڑے مردوں کو اکھاڑنے کی بجائے اہل فرنگ کی نئی ایجادیں اور سائنس کی برکتیں ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آئین جہانبانی اسے کہتے ہیں اور آئین اکبری تقویم پارینہ ہو چکا ہے ۔ چند اشعار اس مثنوی[1] کے ملاحظہ ہوں:

وینکہ در تصحیح آئیں رائے اوست
ننگ و عار ہمت والائے اوست

برچنیں کارے کہ اصلش ایں بود
آں ستاید کش ریا آئیں بود

من کہ آئین ریا را دشمنم
در وفا اندازہ دان خود منم

گر بدیں کارش نگویم آفریں
جائے آں دارد کہ جویم آفریں

بابد آئیناں نمانم در سخن
کس ندا ند آنچہ دانم در سخن

گرنہ آئیں می رود باما سخن
چشم بکشا اندریں دیر کہن

---

۱ ۔ کلیات نظم غالب/۱۰۹ (طبع نولکشور ۱۹۲۴ء) ۔

صاحبان انگلستان را نگر
شیوه و انداز ایناں را نگر

تاچہ آئیں ہاپدید آوردہ آند
انچہ ہرگز کس ندید آوردہ اند

زیں ہنرمند ہنر بیشی گرفت
سعی برپیشینیاں پیشی گرفت

حق ایں قومست آئیں داشتن
کس نیارد ملک بہ زیں داشتن

داد و دانش رابھم پیوستہ اند
ہند را صدگونہ آئیں بستہ اند

آتشے کس سنگ بیروں آورند
ایں ہنر منداں زخش چوں آورند

تاچہ افسوں خواندہ اندانیاں برآب
دود کشتی رابہی راند در آب

گرد خاں کشتی بہ جیحوں می برد
گردخاں گردوں بہ ہاموں می برد

غلطک گردوں بگر داند خاں
نرہ گا و اسپ را ماند دماں

از دخاں زورق برفتار آمدہ
بادو موج ایں ہر دو بیکار آمدہ

نغمہ ہا بے زخمہ از ساز آورند
حرف چوں طائر بہ پرواز آورند

ہیں نمی بینی کہ ایں دانا گروہ
درد و دم آرند صرف از صد گروہ

می زنند آتش بباد اندر ہمیں
می درخشد بادچوں اخگر ہمی

روبہ لندن کاندرن رخشندہ باغ
شہر روشن گشتہ درشب بے چراغ

پیش ایں آئیں کہ دارد روز گار
گشتہ آئین دگر تقویم پار

مردہ پروردن مبارک کار نیست
خود بگو کاں نیز جز گفتار نیست

معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعے کے بعد رنجش پیدا ہو گئی تا آنکہ جب جنوری ۱۸۶۶ء میں غالب رامپور گئے تو واپسی میں مراد آباد کی ایک سرائے میں اترے - اس زمانے میں سید احمد خاں صدرالصدور تھے - انہوں نے جو مرزا کے آنے کا حال سنا تو اصرار کرکے اپنے مکان پر لے گئے - مولانا حالی نے اس کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے :

"سرسید کہتے تھے کہ جب میں مراد آباد میں تھا ، اس وقت مرزا صاحب ، نواب یوسف علی خاں مرحوم سے ملنے کو رامپور گئے تھے ، ان کے جانے کی تو مجھے خبر نہیں ہوئی مگر جب دلی کو واپس گئے تو میں نے سنا کہ وہ مراد آباد میں سرائے میں ٹھہرے ہیں - میں فوراً سرائے میں پہونچا اور مرزا صاحب کو — اسباب اور تمام ہمراہیوں کے ساتھ اپنے مکان پر لے آیا - ظاہرا جب سے سرسید نے تقریظ کے

کے چھاپنے سے انکار کیا تھا وہ مرزا سے اور مرزا اُن سے نہیں ملے تھے - اور دونوں کو حجاب دامن گیر ہو گیا تھا اور اسی لیے مرزا نے مراد آباد میں آنے کی اُن کو اطلاع نہیں دی تھی - الغرض جب مرزا سرائے سے سید کے مکان پر پہونچے اور پالکی سے اُترے تو ایک بوتل اُن کے ہاتھ میں تھی - انھوں نے اس کو مکان میں لا کر ایسے موقع پر رکھ دیا جہاں ہر ایک آتے جاتے کی نگاہ پڑتی تھی - سرسید نے کسی وقت اُس کو وہاں سے اُٹھا کر اسباب کی کوٹھری میں رکھ دیا - مرزا نے جب بوتل کو وہاں نہ پایا تو بہت گھبرائے - سرسید نے کہا : آپ خاطر جمع رکھیے - میں نے اس کو بہت احتیاط سے رکھ دیا ہے - مرزا صاحب نے کہا : 'بھئی مجھے دکھا دو تم نے کہاں رکھی ہے - انھوں نے کوٹھری میں لیجا کر بوتل دکھا دی - آپ نے اپنے ہاتھ سے بوتل اُٹھا کر دیکھی اور مسکرا کر کہنے لگے کہ : بھئی اس میں تو کچھ خیانت ہوئی ہے ، سچ بتاؤ کس نے پی ہے ؟ شاید اسی لیے تم نے کوٹھری میں لا کر رکھی ہے - حافظ نے سچ کہا ہے :

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بہ خلوت می روند آں کار دیگر می کنند

سرسید ہنس کے چپ ہو رہے اور اس طرح وہ رکاوٹ جو کئی برس سے چلی آتی تھی ، رفع ہو گئی - مرزا دو ایک دن وہاں ٹھہر کر دہلی چلے آئے[1] -

حالی نے "دو ایک دن" ٹھہرنے کا ذکر کیا ہے - لیکن

---

۱ - حالی : حیات جاوید جلد اول ۱۲۵ (حاشیہ) -

غالب پانچ دن تک سرسید کے مہمان رہے تھے ۔ تفتہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں[1] :

"لو صاحب، کھچڑی کھائی، دن بہلائے، کپڑے پھاڑے گھر کو آئے ۔ ۸ جنوری ماہ و سال حال دوشنبہ کے دن غضب الہی کی طرح اپنے گھر پر نازل ہوا ، تمہارا خط مضامین درد ناک سے بھرا ہوا رام پور میں میں نے پایا ۔ جواب لکھنے کی فرصت نہ ملی ۔ بعد روانگی کے مراد آباد میں پہنچ کر بیمار ہو گیا ۔ پانچ دن صدرالصدور صاحب کے ہاں پڑا رہا ۔ انہوں نے بیمار داری اور غم خواری بہت کی"۔

دوسرے خط میں سید احمد حسن مودودی کو لکھا ہے[2]

"رام پور کی سرکار کا فقیر تکیہ دار روزینہ خوار ہوں ۔ رئیس حال نے مسندنشینی کا جشن کیا ۔ دعا گوئے دولت کو در دولت پر جانا واجب ہوا ۔ ہفتم اکتوبر کو دلی سے رام پور کو روانہ ہوا ۔ بعد قطع منازل ستہ وہاں پہنچا بعد اختتام بزم عزم وطن ہوا ۔ ہشتم جنوری کو دلی پہنچا ۔ غرض راہ میں بیمار ہوا ۔ پانچ دن مراد آباد میں صاحب فراش رہا ۔"

یہ ہے غالب اور سرسید کے تعلقات کی روداد ۔ جس کا ہمیں علم ہے ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی تعلقات کبھی رسمی حدود سے آگے نہیں بڑھے ۔ اس کے ظاہراً دو اسباب ہیں ۔ ایک تو سرسید بسلسلۂ ملازمت دہلی سے باہر رہے ۔ وہ شاعری تفنن طبع سے زیادہ کرتے نہ تھے جو غالب سے خط و کتابت رکھتے ۔ دوسرے یہ کہ خط و کتابت میں صلح صفائی ہوئی اور اس کے تین سال بعد غالب کا انتقال ہو گیا ۔

۱- مہر : خطوط غالب ۲۱۴ -
۲- مہر : خطوط غالب ۴۳۱ -

غالب اور غلام امام شہید :

مولوی غلام امام شہید سے غالب کیوں برافروختہ تھے اس کا حال نہیں کھلتا ۔ ایسا قیاس ہوتا ہے چونکہ وہ محمد حسن قتیل کے شاگرد تھے اور قتیل سے غالب کو خدا واسطے کا بیر تھا ، نیز شہید کے شاگردوں اور مداحوں کا حلقہ وسیع تھا اور وہ اپنے زمانے میں اچھے شاعر و نثر نگار شمار ہوتے تھے ۔ پھر حیدرآباد میں ان کی قدرافزائی ہوئی اور نواب محی الدولہ نے انھیں ایک ہزار روپیہ زاد راہ دے کر طلب کیا اور سرکار عالی سے چار سو روپیہ ماہوار مقرر کرا دیئے ۔ یہی نہیں بلکہ راجا گردھاری پرشاد اور محی الدولہ نے زاد و راحلہ دے کر انہیں سفر حج کے لیے روانہ کیا ، اپنے مولود اور نعتوں کی وجہ سے وہ عقیدت مندوں کا حلقہ بھی خاصا رکھتے تھے ۔ ان سب باتوں نے غالب پر ان کا مجموعی تأثر ایسا ہی کر دیا تھا ۔

اور جب غالب نے سنا کہ حیدرآباد میں شہید کی اچھی قدر ہو رہی ہے تو انہیں اپنی بدقسمتی کا احساس اور بھی زیادہ ہوگیا ۔ وہاں ان کے شاگردوں میں حبیب اللہ ذکا موجود تھے ۔ انھیں خط لکھ کر تفحص احوال کرتے رہتے تھے ۔ حکیم غلام نجف خاں کو ایک خط میں لکھا[1] ۔

"مولوی فضل رسول صاحب[2] حیدرآباد گئے ہیں ۔ مولوی

---

۱ ۔ مہر : خطوط غالب ۳۸۵

۲ ۔ منشی فضل رسول واسطی سندیلوی (متوفی ۱۸۷۹ع) جو رشتہ میں شہید کے بھانجے تھے ۔ ان کا دیوان نولکشور سے چھپ چکا ہے انھیں مظفر علی اسیر (متوفی ۷ فروری ۱۸۸۲ع) سے تلمذ تھا (نادر روز نامچہ ۳۱)

غلام امام شہید آگے سے وہاں ہیں، محی الدولہ محمد یار خاں سورتی نے ان صورتوں کو وہاں بلایا ہے - پر یہ نہیں معلوم کہ وہاں ان کو کیا پیش آیا ہے - اگر تم کو کچھ معلوم ہو گیا ہو تو مجھ کو ضرور لکھو۔"

ان جملوں میں جو طنز چھپا ہوا ہے اس کا اندازہ "سورتی" اور "صورتوں" کے تلازمے ہی سے کیا جا سکتا ہے - مگر ہمیں لطف تب آئے گا جب یہ معلوم ہو کہ غلام امام شہید بدصورت تھے ، ان کے چہرے پر چیچک کے داغ تھے اور کانوں میں قرنا لگا کر سنتے تھے - مولوی مظہر علی نے لکھا ہے[1] :

"مولوی غلام امام شہید . . . . متوطن الہ آباد آج تشریف لائے . . . . شہید صاحب مولود خوب پڑھتے ہیں اور وقت پڑھنے کے عشق آنحضرت میں بے چین ہو جاتے ہیں - لیکن افسوس ہے کہ آواز اچھی نہیں - بالفعل آن کی عمر ستر برس کی ہے - قرنائی لگا کر سنتے ہیں۔" (۳ اکتوبر ۱۸۷۲ع)

غالب برابر غلام امام شہید کے بارے میں ٹوہ لگاتے رہتے تھے - ۲۶ اگست ۱۸۶۳ع کو حبیب اللہ ذکا کے موسومہ خط میں لکھتے ہیں[2] :

"اب آپ اس خط کی رسید لکھیے اور اس میں غلام امام شہید کا حال مفصل لکھیے کہ ان کی وہاں کیا صورت ہے - ایک شخص مجھ سے یوں کہتا تھا کہ مختار الملک نے منہ نہ

---

۱ - ہاشمی : ایک نادر روزنامچہ/۲۸ -

۲ - مہر : خطوط غالب/۲۶۴ -

لگایا مگر محی الدولہ نے چار سو روپیہ مہینا سرکار جناب عالی سے مقرر کرا دیا ہے۔"

پھر "اودھ اخبار" میں انھوں نے ایک خبر دیکھی تو جھٹ ذکا کو لکھا[1] :

"ہاں صاحب، اودھ اخبار میں ایک قصیدہ مولوی غلام امام کا دیکھا 'مکان تنگ است، جہان تنگ است، مدح مختار الملک'، میں متضمن استدعاے مسکن وسیع، پھر مہینے بعد، اسی اودھ اخبار میں یہ خبر دیکھی کہ نواب نے مسکن تو نہ بدلا، مگر تیس روپے مہینا بڑھا دیا۔ اسی اخبار میں پھر دیکھا کہ ایک صاحب نے مولوی غلام امام کے کلام پر اعتراض کیا ہے، اور ان کے شاگرد وضیع تخلص نے اُس کا جواب لکھا ہے۔ آپ سے اس رویداد کی تفصیل اور جواب اعتراض و معترض کے نام کا طالب ہوں۔ بہ سبیل استعجال۔"
(۱۱ جنوری ۱۸۶۷ع)

اچھا، لطیفہ یہ ہے کہ ذکا نے شہید کو بتا دیا یا انھیں کسی طرح معلوم ہو گیا، کہ غالب ان کے بارے میں کیا لکھتے رہتے ہیں۔ اُس غریب نے خواجہ غلام غوث خاں بے خبر کو شکایت لکھی کہ مرزا صاحب مجھ سے بے سبب ناراض ہیں۔ بے خبر نے غالب کو لکھا کہ حضرت یہ کیا ماجرا ہے شہید پر آپ کیوں وار کر رہے ہیں، اگر کوئی اور ہوتا تو شاید غالب جواب میں شہید تو کیا قتیل کو بھی نہ بخشتے اور خوب کھری کھری سناتے۔ مگر بے خبر لیفٹننٹ گورنر

۱۔ ماسبق ۳۶۴۔

کے میر منشی اور غالب کے دوست تھے ، ان سے ذرا کور دبتی تھی غالب نے معذرت لکھی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو[1] -

"منشی حبیب اللہ ذکا کے اشعار آتے رہے اور میں اصلاح دے کر بھیجتا رہا - بعد وارد ہونے مولوی صاحب کے ایک غزل اُن کی آئی اور انہوں نے یہ لکھا کہ مولوی غلام امام شہید اکبر آبادی کی غزل پر یہ غزل لکھ کر بھیجتا ہوں - میں نے حسب معمول غزل کو اصلاح دے کر بھیجا اور یہ لکھا کہ مولانا شہید اکبرآباد کے نہیں ، لکھنؤ اور الہ آباد کے ہیں ، اس کلمے سے زیادہ کوئی بات میں نے نہیں لکھی - اس میں سے توہین کے معنی مستنبط ہوں تو میں ان کا مستھن سہی - اب نہیں جانتا کہ منشی صاحب نے مولوی صاحب سے کیا کہا اور مولوی صاحب نے آپ کو کیا لکھا ؟"

ایک بار غالب کے دوست چودھری عبدالغفور سرور نے انھیں لکھا تھا کہ آپ والی دکن کی مدح میں قصیدہ کہہ کر کیوں نہیں بھیجتے ، وہاں آج کل ہن برس رہا ہے - آپ کی بڑی ضرور قدردانی ہوگی - اس کے جواب میں غالب نے لکھا تھا[2] :

"پہلے کچھ باتیں کہ بادی النظر میں خارج از بحث معلوم ہوں گی - لکھی جاتی ہیں :

میں پانچ (برس) کا تھا کہ میرا باپ مرا ، نو برس کا تھا کہ چچا مرا - اُس کی جاگیر کے عوض میری اور میرے شرکائے حقیقی کے واسطے ، شامل جاگیر نواب احمد بخش خاں ، دس

---

۱ - ما سبق ۳۴۶ -

۲ - مہر : خطوط غالب ۸-۹۷ -

ہزار روپے سال مقرر ہوئی - انہوں نے نہ دیئے، مگر تین ہزار روپے سال - اس میں سے خاص میری ذات کا حصہ ساڑھے سات سو روپے سال - میں نے سرکار انگریزی میں یہ غبن ظاہر کیا - کولبرک صاحب بہادر ریزیڈنٹ دہلی اور اسٹرلنگ صاحب بہادر سکرتر گورنمنٹ کلکتہ متفق ہوئے میرا حق دلانے پر - ریزیڈنٹ معزول ہو گئے - سکرتر بمرگ ناگاہ مر گئے -"

واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی سرکار سے بہ صلہ مدح گستری پانسو روپے سال مقرر ہوئے- وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ جیئے ، یعنی اگرچہ اب تک جیتے ہیں ، مگر سلطنت جاتی رہی اور تباہی سلطنت دو ہی برس میں ہوئی - دلی کی سلطنت کچھ سخت جان تھی - سات برس مجھ کو روٹی دے کر بگڑی ایسے طالع محسن سوز و مربی کش کہاں پیدا ہوتے ہیں - اب جو میں والئی دکن کی طرف رجوع کروں ، یاد رہے کہ متوسط مر جائے گا یا معزول ہو جائے گا اور اگر یہ دونوں امر واقع نہ ہوئے تو کوشش اس کی ضائع ہو جائے گی اور والئی شہر مجھ کو کچھ نہ دے گا اور احیاناً اس نے سلوک کیا تو ریاست خاک میں مل جائے گی اور ملک میں گدھے کے ہل پھر جائیں گے - اے خداوند بندہ پرور یہ سب باتیں وقوعی وواقعی ہیں -

اگر ان سے قطع نظر کرکے قصیدہ کا قصد کروں ، قصد تو کر سکتا ہوں ، تمام کون کرے گا سوائے ایک ملکہ کے کہ وہ پچاس پچپن برس کی مشق کا نتیجہ ہے ، کوئی قوت باقی نہیں رہی - کبھی جو سابق کی اپنی نظم و نثر دیکھتاہوں تو یہ جانتا ہوں کہ یہ تحریر میری ہے مگر حیران رہتا ہوں کہ یہ نثر میں نے کیوں کر لکھی تھی - اور یہ شعر کیوں کر کہے تھے- عبدالقادر بیدل کا یہ مصرع گویا میری زبان سے ہے -

عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ

پایان عمر ہے دل و دماغ جواب دے چکے ہیں، سو روپے رام پور کے ساٹھ روپے پنشن کے، روٹی کھانے کو بہت ہیں، گرانی اور ارزانی امور عامہ میں سے ہے، دنیا کے کام خوش و ناخوش چلے جاتے ہیں۔ قافلے کے قافلے آمادہ رحیل ہیں۔ دیکھو منشی نبی بخش مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے ماہ گزشتہ میں گزر گئے، مجھ میں قصیدے کے لکھنے کی قوت کہاں، اگر ارادہ کروں تو فرصت کہاں۔ قصیدہ لکھوں آپ کے پاس بھیجوں، آپ دکن کو بھیجیں، متوسط کب پیش کرنے کا موقع پائے پیش کئے پھر کیا پیش آئے۔ ان مراحل کے طے ہونے تک میں کیوں کر جیوں گا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔ لا الہ الا اللہ و لا معبود الا اللہ ولا موجود الا اللہ کان اللہ و لم یکن شیٔ و اللہ الان کما کان

یہ خط ۱۸۶۰ع کا ہے اور یہ بادی النظر میں خارج از بحث باتیں انہوں نے تکلفاہی لکھی ہیں امر واقع یہ ہے کہ وہ ریاست حیدر آباد سے انتفاع کی برابر کوشش کرتے رہے مگر مطلب برآری نہ ہو سکی۔ حبیب اللہ ذکا کو ایک خط میں لکھا ہے[1]۔

۱۔ مہر: خطوط غالب/۳-۶۲۲م [غالب نے مختارالملک کی مدح میں جو قصیدہ بھیجا تھا وہ کلیات نظم میں شامل ہے] (طبع سوم نولکشور م۱۹۲۲ع صفحات م۳۲۲ و بعد) اور غالب کا دستخطی قصیدہ سالار جنگ میوزیم میں محفوظ ہے۔ اسی میں یہ شعر ہے:
کس نیست متاع را خریدار   با آنکہ بہا گران نگویم

"صنعت سہل ممتنع میں ، میں نے نواب مختار الملک کو قصیدہ بھیجا کچھ قدر دانی نہ فرمائی ، ردّ فرقۂ وہابیہ میں ایک مثنوی[1] جو سابق میں لکھی تھی ، وہ محی الدولہ کو بھیجی ، رسید بھی نہ آئی ، اب سنتا ہوں کہ مولوی غلام امام شہید (شاگرد قتیل) وہاں کوس 'انا ولا غیری' بجا رہے ہیں ، اور سخن ناشناسوں کو اپنا زور طبع دکھا رہے ہیں ۔ ایک کم ستر کی عمر میری ہوئی سوائے شہرت خشک کے فن کا کچھ پھل نہ پایا ۔ "احسنت" و 'مرحبا' کا شور سامعہ فرسا ہوا ۔ خیر، ستایش کا حق ستایش سے ادا ہوا ۔ مختار الملک نے یہ بھی نہ کیا ۔ نہ مدح کی داد دی، نہ مدح کا صلہ دیا ۔ حیران ہوں کہ نواب مجھ کو کیا سمجھے ۔ محی الدولہ سے اور کچھ نہیں کہتا مگر یہ کہ خدا سمجھے ۔"

ان اقتباسات سے غالباً واضح ہو گیا ہوگا کہ شہید سے غالب کی برہمی (الف) شاگرد قتیل ہونے کی بنا پر (ب) سخن ناشناسوں میں مقبول ہونے کی وجہ سے (ج) حیدرآباد میں ان کے علی الرغم نوازے جانے کے باعث تھی ۔

خیر جس زمانے کا یہ خط ہے اس وقت تو حیدرآباد کا سلسلہ نہ تھا ۔ پہلے دو اسباب ہی تھے چنانچہ مرسید نے شہید کے دو شعر لکھ کر تضمین کی فرمایش کی تو اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آپ کا خط آنے سے تو خوشی ہوئی مگر جس کام کا حکم دیا ہے اس سے رنجیدہ ہوا ۔ کسی شاعر کے دو

۱۔ یہ کلیات نظم کی مثنوی ششم ہے (ص ۹۸) جس کا عنوان ہے : بیان نموداری شان نبوت و ولایت کہ در حقیقت پرتو نورالانوار حضرت الوہیت است ، اس مثنوی میں ۱۲۸ اشعار ہیں ۔

ایک شعر لے کر ، ان پر دو چار شعر اپنی طرف سے ٹانک دینا کون سی شاعری و معنی پروری ہے ؟ اور ہو بھی تو یہ دو شعر اس قابل ہی کہاں ہیں - ان میں فارسی کے پر شکوہ لفظوں کے سوا ہے کیا ؟ کوئی نازک خیال ، کوئی باریک نکتہ تو ہے نہیں - پھر یہ ایسی بحر میں ہیں کہ کسی ایرانی نے اس میں آج تک شناوری نہیں کی - ان کی تضمین ، چاہے وہ مسدس ہو یا ترجیع بند بس اسی کام آ سکتی ہے کہ بھکاری یاد کرلیں اور درد بھری آواز سے در در گتے پھریں اور خاتم المرسلین کا کوئی عاشق شعر سن کر اپنا گر بیان چاک کرلے - پھر کہتے ہیں کہ واللہ مولانا شہید نے بہت عمدہ شعر لکھے ہیں اور ان سے بہتر لکھے نہیں جا سکتے - مگر یہ شاعری و معنی پروری نہیں ہے - مجلس مولود شریف میں پڑھنے کی چیز ہے - حضرت اشرف المرسلین علیہ السلام کی نعت میں اس فقیر نے کئی مثنویاں اور قصیدے کہے ہیں ان میں سے ایک مثنوی نقل کرکے آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں - ذرا اسے ملاحظہ فرمایئے - مجھ سے شیوہ معنی پروری کے خلاف کسی قسم کے شعروں کی فرمایش نہ کیجئے :

اس خط کا ماخذ ایک قلمی نسخہ ہے جس میں بہار دانش وغیرہ متعدد کتابیں ہیں - یہ انجمن محمدیہ آگرہ کے کتب خانے میں محفوظ ہے - اسی کے ایک سادہ ورق پر کسی نے غالب کا یہ خط نقل کر دیا ہے - اس کی پشیانی پر ایک مہر بھی لگی ہوئی ہے جس میں (اصلح الدین ۱۲۶۷ ھ) صاف پڑھا جاتا ہے- اس کا مطلب یہ ہے کہ خط غالب کی زندگی میں نقل ہوا ہے فارسی متن ملاحظہ ہو -

(۲)

بنام جواد الدولہ سید احمد خان بہادر منصف فتح پور

نواب معالی القاب و سید عالی جناب سلامت ۔

بہ رسیدن منشور رافت نشان شادماں شدم ، و ازاں چہ مرا بسر انجام آں فرمان دادہ اندغمین یک دو بیت از دیگرے گرفتن و برآں گفتار دو چار بیت از خویش افزودن کدام آئین سخن وری و کدام شیوہ معنی پروری است ۔ خاصہ ایں دو بیت کہ جز شکوہ الفاظ تازی ہیچ گونہ معنی نازک ندارد و سیما در بحرے واقع شدہ کہ ہیچ کس از ایرانیاں درآں بحر غزل نگفتہ ، انچہ بریں دو بیت افزا یند خواہی آں رامسدس نام نہند و خواہی ترجیع بند خوانند ، خاص از بہر آنست کہ گدایاں یادگیرند و بردر ھا باہنگ حزیں بخوانند ۔ کدام عاشق خاتم المرسلین بسماع ایں اشعار از خود رود و گریباں درد ۔ حاشاثم حاشا مخدومی مولوی غلام امام شہید سلمہ اللہ تعالیٰ ہرچہ گفتہ اند خوش گفتہ اند وخوشترازیں نتواں گفت ۔ لیکن ایں شاعری وسخن وری نیست ۔ چیزے دیگر ہست کہ درمجلس مولود شریف تواں خواند ۔ فقیر حقیر را در نعت اشرف المرسلین علیہ و آلہ السلام قصیدہ ھا و مثنویھا است[۱] ، ازاں جملہ

---

۱ - کلیات نظم فارسی میں غالب کی دو نعتیہ مثنویاں ہیں ۔ ایک میں ۵۷ اشعار ہیں اور اس شعر سے شروع ھوتی ہے

بنام ایزدے کلک قدسی صریر

بہر جنبش از غیب نبر و پذیر

دوسری مثنوی دربیان معراج ۲۷۵ شعروں میں ہے ۔ اختصار کی وجہ سے قیاس چاھتا ہے کہ پہلی مثنوی ھی غالب نے اس خط کے ساتھ بھیجی ھوگی ۔ اسی خط میں نعتیہ قصیدوں کا بھی ذکر ہے۔ کلیات میں ان کے تین قصیدے نعت رسول میں ملتے ہیں ۔

یکے مثنوی نقل کردہ بخدمت می فرستم ، این رابنگر ند وبخوانند و از بندہ اشعارے کہ نہ میوۂ سخن گستران باشد آرز و نکنند و بندۂ خود انگار ند و بخدمت مہین برادر خود سلمہ اللہ تعالیٰ سلام رسانند ۔ و السلام   از اسداللہ

(۳)

اسی کتب خانے میں ایک مجموعہ مثنویات ہے (مد نمبر ۴۶) جس میں ۲۶ مثنویاں شامل ہیں ان میں ساقی نامہ عزت ، مثنوی ناصر علی ساقی نامہ الٰہی ، سوز و گداز نوعی ۔ قضا و قدر سلیم ، ساقی نامہ ملا مرشد ، ساقی نامہ زکی ۔ قضا و قدر حکیم رکنا مسیح ۔ قضا و قدر سعید اے اشرف ، اور محسن فانی کی مثنوی موسیٰ و موہنی شامل ہیں ۔ اسی مجلد مین کلیات نظم غالب کے کچھ اوراق ہیں یہ صاف نستعلیق میں لکھے ہوئے ہیں ۔ اس مجموعہ مثنویات پر جا بجا مہریں بھی ثبت ہیں ، ایک تو صاف پڑھی جاتی ہے جس پر دین دیال ۱۲۶۸ ھ لکھا ہوا ہے ۔ دوسری ہندی میں ہے ۔ یہ مہر بھی دین دیال ہی کی ہے لیکن اس کا سال ٹھیک نہیں پڑھا گیا کہ ۱۸۴۴ع ہے یا ۱۹۴۴ع ۔ اس میں مجھے شک ہے ۔ بہرحال ان اوراق میں ذیل کا قطعہ بھی ملتا ہے جو مرزا مستا بیگ کے قطعہ تاریخ وفات سے قبل درج ہے[1] ۔

رفت چوں مولوی حمید الدین
زیں جہاں کز فنا عمارت اوست

---

۱ ۔ مستابیگ کی وفات کا قطعہ تاریخ کلیات نظم غالب میں موجود ہے ۔

از خود از دہر رفت و دہر ہنوز
پر ز آوازۂ فضیلت اوست

سید الانبیاء شفیعش باد
کاں سعید ازل ز عزت اوست

دخل راچوں فزوں کنی بر خلد
سال فوتش ہمیں حقیقت اوست

داخل خلد گشت پنداری
دخل درخلد سال رحلت اوست

رمز دریاب تا غلط نہ کنی
زاں کہ تکرار خلد صورت اوست

"خلد خلد" است برلب غالب
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اس مادۂ تاریخ سے ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ع) مستنبط ہوتے ہیں۔ کلیات نظم سے اس کا اخراج ظاہراً مادۂ تاریخ کے بھونڈے پن کی وجہ سے ہوا۔ غالب تاریخ گوئی سے قاصر تھے اور اس کا انھوں نے متعدد مواقع پر اعتراف کیا ہے۔ میاں داد خاں سیاح کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"بھائی تمھاری جان اور اپنے ایمان کی قسم کہ فن تاریخ گوئی و معما سے بے گانہ محض ہوں۔ اُردو زبان میں کوئی تاریخ میری نہ سنی ہوگی[1]۔ فارسی زبان میں دو چار تاریخیں ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ مادہ اوروں کا ہے اور اشعار میرے ہیں۔ تم سمجھے کہ میں کیا کہتا ہوں حساب سے میرا جی گھبراتا

۱۔ یہ غلط ہے، دیوان اُردو نسخہ عرشی میں اُردو کے قطعات تاریخ موجود ہیں (ص ۱۲۳)۔

ہے اور مجھ کو جوڑ لگانا نہیں آتا ہے - جب کوئی مادہ بتاؤں گا - حساب درست نہ پاؤں گا - دو ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوتی تو مادۂ تاریخ وہ مجھے ڈھونڈلا دیتے موزوں میں کرتا - اگر آپ مادے کی فکر کی ہے اور یہی حساب جمل منظور رکھا ہے تو ایسے تعمیے اور تخرجے آگئے ہیں کہ وہ تاریخ ہنسی کے قابل ہو گئی ہے - کلکتہ میں قاضی القضاۃ سراج الدین خان مرحوم کی قبر پر مسجد بنی ہے - ان کے بھتیجے مولوی ولایت حسین خاں نے استدعاے تاریخ کی - میں نے لکھی - چناں چہ وہ فارسی دیوان میں موجود ہے -

مفتی عقل ازپے تاریخ ایں بنا
ایما بسوئے من ز رہ احترام کرد
گفتم بوے بدیہہ : "خوشا خانہ خدا"
شدخشمگیں دمے کہ نظر در کلام کرد
خاشاک رفت وپاےادب درشکنجہ ریخت
ایہام رابہ تخرجہ معنی تمام کرد

واسطے خدا کے غور کرو - "خوشاخانۂ خدا" مادہ پھر اس میں سے خاشاک کے عدد دور کرو نو سو اکیس کا تخرجہ[1]، پھر بھی دو اور زیادہ رہے - پاے ادب یعنی ب کو اڑایا - بھلایہ بھی کوئی تاریخ ہے -"

یہی حال مذکورہ بالا قطعہ تاریخ کا ہے - مادۂ تاریخ آن کے عجز کا شاہد ہے - مولوی حمید الدین کون تھے، میں اس کی نشان دہی سے قاصر ہوں - (فروری ۱۹۶۴ع)

---

۱ - خاشاک کے عدد تو ۹۲۲ ہوتے ہیں - یہاں بھی غالب نے حساب کی غلطی کر دی -

نوادر غالب (۳)

"مطبع محمدی محمد مرزا خاں واقع دہلی" سے ایک چھوٹا سا رسالہ "عیدی نامہ" طبع ہوا تھا - اس کے صفحات کی تعداد ۲۴ ہے - آخر میں تاریخ طبع زاد جے چند المتخلص بہ عاصی درج ہے ، خاتمہ میں "مطبع محمدی محمد مرزا خاں واقعہ دہلی کوچہ چیلہ حد چھاونی لکھا ہوا ہے - اس مختصر رسالے میں بچوں کے لیے عیدیاں جمع کر دی ہیں - اس رسالے کے صفحہ ۱۹ پر تمت کے بعد "اشعار متفرق" کے زیر عنوان غالب کے قطعات ورباعیات نقل ہوئی ہیں - مثلاً : سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں - الخ

یا — بعد از اتمام بزم عید اطفال
ایام جوانی رہے ساغر کش حال

آپہنچے ہیں تا سواد اقلیم عدم
اے عمر گذشتہ یک قدم استقبال

تیسرا قطعہ وہ ہے جس کا آخری مصرع ہے :

روزہ اگر نہ کھاوے تو نا چار کیا کرے

چوتھا قطعہ جس کا پہلا شعر ہے :

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو
رکھ دیں چمن میں بھر کے مئے مشکبو کی ناند

یہ بھی دیوان غالب نسخہ عرشی میں (ص ۱۲۸ پر) موجود ہے۔

پانچویں رباعی ہے: "آتشبازی ہے جیسے شغل اطفال" یہ نسخۂ عرشی میں (ص ۲۵۳) پر ملتی ہے۔ البتہ چھٹی رباعی دیوان غالب نسخہ عرشی میں نہیں ہے۔ اس کے عنوان میں لکھا ہے:

"رباعیات درمدح تعلق نو روز"

شاہا تجھے با دولت و بخت فیروز
فرخ ہو سدا جہاں میں جشن نوروز

ہووے شرف اندوز ترے طالع سے
ہر سال حمل میں مہر عالم افروز

اس کے بعد اسی مجموعے میں یہ دو قطعات بھی ہیں جو اگرچہ کلام غالب کے ذیل میں نقل ہوئے ہیں اور ان کے عنوان میں "مرزا نوشہ" لکھا ہوا ہے۔ مگر میرا وجدان کہتا ہے کہ یہ مرزا غالب کے طبع زاد نہیں ہو سکتے۔

عید آئی ہے دل اہل زمانہ شاد ہے
عیش سے وابستہ ہے غم سے ہراک آزاد ہے

عشرت وعیش وطرب چھائے ہوئے ہیں جابجا
ہر طرف اک جشن ہے ہر سو مبارکباد ہے

دوسرا قطعہ بسنت سے متعلق ہے:

گلشن دہر میں بسنت آئی
خوب گلدستۂ خوشی لائی

گوش گل سوے دیدۂ بلبل
دیدۂ گلرخاں تماشائی

اس کا سال انطباع جے چند عاصی نے خدا جانے کون سی صنعت سے برآمد کیا ہے۔ قطعۂ تاریخ ساقط الوزن ہے اور اس کا آخری شعر یہ ہے:

اس عرصہ میں پکارا ہاتف غیبی معطر ہو
سبحان اللہ ہوئے فارغ کئی تازہ گل دیریں

لاکھ سرمارا مگر کوئی تاریخ برآمد نہ ہوئی۔ میرا قیاس یہ ہے کہ رسالہ مذکور غالب کی زندگی میں چھپا ہے اور نوروز والی رباعی جو اوپر نقل ہوئی غالب ہی کی ہے جو کسی دوسرے مجموعے میں نہیں ملتی۔

اس کے بارے میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی تحریر فرماتے ہیں:

"نثار صاحب کی رائے میں یہ دونوں قطعے غالب کے طبع زاد نہیں ہو سکتے لیکن میرے نزدیک ان قطعات پر شبہ کرنا مناسب نہیں، اس لیے کہ کتاب کے مندرجات سے کسی غلط انتساب کا ثبوت نہیں ملتا اور غالب کا رنگ متعین کرنا آسان نہیں۔ اگر ہم شاہا تجھے... الخ والی رباعی کو کلام غالب مانتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ باقی ماندہ دو قطعات کو مردود و مطرود رکھا جائے۔ جیسا کہ نثار صاحب کا خیال ہے کہ کتاب غالب کی زندگی میں شائع ہو چکی تھی، اس لیے یقین ہے کہ مرتب کتاب نے دوسرے کے کلام کو غالب کے نام سے شائع کرنے کی جرأت نہ کی ہوگی۔" (نقوش: نومبر ۱۹۶۴ع)

اس سلسلے میں مجھے اتنا اضافہ اور کرنا ہے کہ یہ رباعی شاہا تجھے الخ ، دیوان ذوق مرتبہ محمد حسین آزاد میں بھی پائی جاتی ہے ۔ اب اسے غالب سے منسوب کرنے کے لیے کسی قوی تر سند کی ضرورت ہوگی ۔

مارچ ۱۹۶۳ع

غالب اور ریاض الافکار

(۱)

ریاض الافکار[1] مؤلفہ وزیر علی عبرتی عظیم آبادی فارسی کے نثر نگاروں کا تزکرہ ہے - اس میں ۴۰۱ نثر نگاروں کے مختصر تراجم اور آن کی نثر کے نمونے شامل ہیں - وجہ تالیف کے ذیل میں عبرتی لکھتا ہے :

"... وزیر علی عظیم آبادی متخلص بہ عبرتی ... چنیں عرضہ دہ می گردد کہ ایں دلدادۂ سلماے سخن را بیشتر اوقات دل و دیدہ وقف مطالعہ منشات شیریں بیانان ہند ... ماندے، ازاں جریدہ پر سوز و گداز ہر رقعہ را کہ چیزے برگ جاں نشتر زن یافتے بابعضے مختصر مکاتیب بمعصران خود ، نظر بملامت ابنائے زماں ، باختصار تمام سوادش بقرطاس پارہ بابرمی گرفت، و نبزے ازحال خجستہ مال [۲ب] آں معنی پژ وہاں بقدر فہم نارسا ازروے تذکرہ ہامثل یدبیضا و سرو آزاد و مرات الخیال و ریاض الشعرا وغیرہ ذلک نیز دربافتہ ضمیمۂ مکتوب شاں می ساخت ، اما از سخت گیرئ روزگار و ہجوم انواع اضطرار ، کجا سررشتہ جمعیت بکف می آفتاد کہ در صدد انتظامش می شد ، مگر دریں زماں کہ سنہ یک ہزار

---

۱ - تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو :

Supplement to the catalogue of the Persian Manuscripts in the oriental Public Library at Bankipore Vol. I pp. 48-61 (Patna 1932).

و دوصد و شصت و ہشت (۱۲۶۸) از ہجرت نبوی است و محرر اوراق بہزار کلفت بدگر دیار از وطن آمادۂ گرم روی است نخواست کہ ہمچو طومار عالیہ اندوختہ سالہا را رائگاں دہد ، ناگزیر آں جملہ مکاتیب را بقید حروف تہجی مشتمل بربست و ہشت خیابان زیب انتظام دادہ بہ ''ریاض الافکار'' مسمی ساخت . . . .''

ان ۱۰۴ نثر نگروں کے تراجم میں مندرجہ ذیل نام بھی ملتے ہیں :

میر احسن علی احسن لکھنوی [۴ ب] محمد صادق خان اختر [۵ ب] سراج الدین علیخان آرزو [۶-الف] اوجاگرچند الفت [۹ ب] پیارے لال الفتی [۱۰-الف] امرت لال [۱۱ ب] امیر حسن بسمل کاکوروی [۱۴-الف] مہدی علی بسمل فتح پوری [۱۴-الف] خواجہ حسین میرزا ثنائی [۱۸ ب] داراب بیگ جویا [۲۰ ب] شیخ غلام علی راسخ [۲۹-الف] شیر خان لودی [۳۸-الف] طالب آملی [۴۱ ب] عرفی [۴۲-الف] ناصر علی سرہندی [۴۷-الف] اسد اللہ خان غالب [۴۷-الف] محمد اکرم غنیمت کنجاہی [۴۸-الف] محمد محسن فانی کشمیری [۴۹-الف] ابوالقاسم کاہی [۵۳ ب] ابوطالب کلیم [۵۴-الف] راجا رام نرائن موزوں [۵۷-الف] منیر لاہوری [۵۷-الف] نصیر ای ہمدانی [۶۰-الف] امیر علی نوائی [۶۱-الف] ہمایوں بادشاہ [۶۶-الف]

اس تذکرے کے بہت کم نسخوں کا علم ہے ، ایک خطی نسخہ کتاب خانۂ خدا بخش پٹنہ میں محفوظ ہے[1] ۔

---

۱ - ملاحظہ ہو کتب خانہ بانکی پور کی فہرست کا ضمیمہ جلد اول صفحات ۴۸ تا ۶۱ - فہرست نگار نے نسخہ خدا بخش کی خاصی تفصیل دی ہے ۔

دوسرا نسخہ محب مکرم ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو (مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ) کے ذخیرۂ کتب میں ہے[۱] - مؤخرالذکر (٦٩) اوراق پر مشتمل ہے اس کا مسطری (١٣) سطری خط شکستہ شفیعا آمیز ، روشنائی متن کی سیاہ اور عنوانات کی شنگرفی ہے سائز 7 × 11 ہے یہ جس مجلد میں ہے اس میں مندرجہ ذیل نسخے بھی شامل ہیں :

١- مکاتبات عبرتی (١٢٥٩ھ) ٢- رسالہ درقواعد مضاف مضاف الیہ وغیرہ از عبرتی (١٢٥٩ھ) ٣- رسالہ رفیع الدین فی قواعدالشعر (عربی) ٤- رسالہ فی التعریب لمحمد بن سراج الدین المنشی (عربی) ٥- مزیل الاغلاط فی اغلاط القاموس والصراح لمحمد حبیب اللہ (عربی) ٦- عطیہ کبریٰ - سراج الدین علی خاں آرزو - ٧- موہبۂ عظمیٰ - سراج الدین خاں آرزو - ٨ - رسالہ دربیان حروف تہجی مع فوائد دیگر -

اس تذکرہ میں مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کا ترجمہ بھی شامل ہے (ورق ٨٤-الف) اور ظاہر ہے کہ یہ اُن کی زندگی ہی میں لکھا گیا ہے ، غالب کی نثر کے نمونے کے طور پر اُن کے ایک فارسی خط کا اقتباس پیش کیا گیا ہے یہ خط کلیات نثر غالب میں موجود ہے ، مگر ہم اُس کی متعلقہ عبارت یہاں اس لیے نقل کر رہے ہیں کہ اس میں نسخہ مطبوعہ سے بعض اختلافات بہت اہم پائے جاتے ہیں ، ہم نے مقابلہ کلیات نثر غالب کے اس مطبوعہ نسخے سے کیا ہے جو مطبع منشی نولکشور سے جنوری ١٨٦٨ع میں چھپا تھا -

---

١ - میں نے اسی نسخے سے استفادہ کیا ہے ، میں ڈاکٹر آرزو کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے یہ نسخہ مستعار دیا اور اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی -

وزیر علی عبرتی کی ملاقات کبھی غالب سے نہیں ہوئی ، لیکن وہ غالب کا ذکر بڑی عقیدت و احترام کیساتھ کرتا ہے ، غالب کے بارے میں آن کے معاصر تذکروں میں جو کچھ لکھا ہے اس کے ذیل میں ریاض الافکار کی مندرجہ عبارت بہت اہمیت رکھتی ہے -

(۲)

ترجمۂ غالب

[۷۴-الف] غالب : اسم منیف آن میر آهنگ قافلۂ نغز کلامان ہند میرزا اسد الله خان ، مولد حمیدہ بغیادش خاک جوہر خیز دارالسلطنتہ دہلی[۱] [۷۴ ب] ، بتقریبے[۲] از وطن مالوف بکلکتہ پیوستہ ، مذاق نشناسان کلکتہ بر سیف لسانی و موشگافی آن سخن رس نکتہ پیوند خار حسرت در دلہا شکستہ ، درصدد آویزش بآں مغتنم روزگار گشتند[۳] - خصوصاً مرزا امان علی خان کہ اصلاباں مستعد روزگار جادو ، زبان نسبتے ندارد ، ازاں جائیکہ آں معنی سگال خیلے ماہر ایں فن بود ، بہ نیروے طبع رسا بر ہمہ غالب آمد ، ہر چند من محرر اوراق را دولت ہمدمی آں جان سخن نصیب نگشت ، مگر پارۂ نظم و نثرآں خوش تلاش کہ از بیاض مشفقے میر ذوالفقار علی صاحب بچشم درآمد اینقدر دریافت گشت کہ چہ نظم وچہ نثر، درہمہ ، بپارسی زباں

---

۱ - یہ غلط ہے ، غالب کا مولد دہلی نہیں آگرہ ہے -

۲ - غالب اپنی پنشن کے مقدمہ کی پیروی کے لیے کلکتہ ۱۸۲۸ع میں گیے تھے (ملاحظہ ہو ذکر غالب/۵۷) طبع سوم

۳ - یعنی غالب اور حامیان قتیل کا معرکہ، غالب کی سوانح کے سلسلہ میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں -

استاد طرز خاص است ۔ ما ہم عصران راجزگوش گشتن و شنفتن کلام متینش ، چہ یارائے حرف زدن ، بر روئے آو ۔ تادم تحریر این اوراق[1] بشاہ جہان آباد بعیش می گذارد ۔ این رقعہ ملاعب مضمون ازاں غالب عرصۂ دہرامت کہ خدمت مولوی سراج الدین احمد[2] برنگاشتہ[3] : رقعہ ۔

نمونۂ نثر غالب : "اے[4] مولوی سراج الدین احمد، بترس از خدائے جہاں[5] کہ چون قیامت قائم گردو و آفریدگار بداد نشیند[6] ، من گریباں دراں[7] و مویہ کناں دراں ہنگمہ آیم ، و در تو آویزم[8] کہ یک عمر مرا بمحبت فریفتی[9] و دلم بردی[10]،

---

۱ ۔ ریاض الافکار کا سال تالیف ۱۲۶۸ھ (مطابق ۱۸۵۲ء) ہے۔

۲ ۔ غالب کے دوست ، اور کلکتہ کے باشندے ۔ کلیات نثر فارسی طبع (۱۸۶۸ء ۱۲۸۴ھ) میں ان کے نام غالب کے متعدد خطوط ہیں ، کچھ خطوط متفرقات غالب مرتبہ مسعود حسن رضوی (شائع کردہ رامپور ، ۱۹۴۷ء) میں شامل ہیں ۔

۳ ۔ یہاں جس خط کا اقتباس دیا گیا ہے وہ کلیات نثر فارسی (طبع نولکشور ۱۸۶۸ء) میں صفحہ ۶۷ پر موجود ہیں ، مگر اس کے متن میں نہ صرف یہ کہ اختلاف ہے بلکہ کلیات میں یہ خط طویل ہے ۔ اختلافات ہم نے حاشیے میں نوٹ کر دیئے ہیں ۔

۴ ۔ کلیات : زینہار صد زینہارائے مولوی سراج الدین الخ ۔

۵ ۔ کلیات : جہاں آفریں ۔ ۶ ۔ کلیات : بنشیند ۔

۷ ۔ کلیات : من گریاں و مویہ کناں ۔

۸ ۔ کلیات : آویزم و گویم کہ این آن کس است کہ یک عمر الخ ۔

۹ ۔ کلیات : فریفت ۔ ۱۰ ۔ کلیات : برد ۔

و چوں من از سادہ دلی[۱] بر وفا تکیہ کردم ، و ترا[۲] از دوستان برگزیدم نقش[۳] کج باختی[۴] ، وبامن[۵] بیوفائی کردی[۶] ۔ خدارا بگو کہ آں زماں چہ جواب خواہی داد ؟ وچہ عذر پیش خواہی آورد ؟ وائے برمن کہ روزگار ہائے دراز[۷] گزرد و خبر نداشتہ باشم کہ سراج الدین احمد کجاست وچہ حال دارد ؟ اگر جفا بپاداش وفاست ، بسم اللہ ۔ ہر قدر توانی بفرمائے[۸] ۔ کہ این جا مہر و وفا فراوان است ۔ لاجرم جفا نیز باید کہ فراوان باشد ۔ واگر خود این تغافل بواسطۂ[۹] جرمے است کہ از من بوجوہ آمدہ زینہار نخست گناہ مرا خاطر نشان من باید کرد، آنگاہ[۱۰] انتقام باید کشید، تاشکوہ[۱۱] رامیانہ گنجائی نباشد، و مرا زہرۂ گفتار نبود[۱۲] ۔ منم کہ معاش من[۱۳] درگونہ گونہ رنج ورنگارنگ، عذاب بہ معتاد[۱۴] کفارسی ماند ، خون در جگر و آتش در دل و خار درپیراہن و خاک [برسرونالہ برلب[۱۵]] ہیچ کا

---

۱ - کلیات : سادگی ۔

۲ - کلیات : واین را

۳ - کلیات : نفس ۔

۴ - کلیات : باخت

۵ - کلیات : بمن ۔

۶ - کلیات کرد ۔

۷ - کلیات : روزگارہا گزرد ۔

۸ - کلیات : بیفزائے ۔

۹ - کلیات : بباد افراہ جرمے دیگر است نخست گناہ مرا خاطر نشان الخ

۱۰ - کلیات : وا نگاہ

۱۱ - کلیات : تاشکوہ درمیاں نگنجد

۱۲ - کلیات : نباشد

۱۳ - کلیات : از گونہ گوں رنج و رنگ رنگ عذاب

۱۴ - کلیات : بمعاد کفار ماند

۱۵ - کلیات : ندارد

فرہادیں روز گرفتار مباد ، و ہیچ آفریدہ[1] ایں خواری مبیناد ۔ راست بکس[2] می مانم کہ در صحرائے پاس[3] بگل و فرو رفتہ باشد وہر چند خواہد کہ بالا جہد نتواند و فرو رود[4] ۔

[والسلام بالوف الاحترام][5]

---

۱ ۔ کلیات دشمن

۲ ۔ کلیات : راست بہ تنہا روے مانم

۳ ۔ کلیات : کہ در صحرای ، پایش بگل فرد رود ۔

۴ ۔ کلیات : فرد تر رود ۔

۵ ۔ کلیات : ندارد ۔ کلیات نثر (ص ۷۹) میں یہ خط ''فرد تر رود'' پر ھی ختم نہیں ھو جاتا ۔ وھاں بعد کی عبارت یہ ہے ۔ والا قدر نواب امین الدین احمد خاں بہادر کہ گیتی راہر ویش دیدمی و وصالش را زندگی دانستمی بکلکتہ رھگرای شد دیگر زندگی از بہر کہ خواھم ؟ و دل رابدیدار کہ شادماں دارم ؟ واماندگی ، من ازیں جاتواں سنجید کہ نتوانستم ھمپائیش کر دن و رو اداشتم اورا اتنہا گزاشتن می گفت کہ درکلکتہ یکے از دوستان خود بمن نشان دہ تاچوں بداں دیار برسم مرا مجائے تو باشد و خواری نماید گفتم حاشا کہ جزاز مولوی سراج الدین ایں کار برنیاید ودلم جزبوے نشکیبد چناں کہ نامہ بنام نامی شما نوشتہ بوے سپردہ ام امید کہ چوں شمارا دریا بد آن مایہ مہربانی کنید کہ اندوہ تنہائی از دلش برخیزد و شمارا بجاے من شناسد ۔ والسلام ۔ جنوری ۱۹۶۳ ع

کچھ غالب کے بارے میں

مجھے دیوان غالب اردو کا ایک مطبوعہ نسخہ ملا جو دسمبر ۱۸۸۳ع (مطابق صفر ۱۳۰۱ھ) میں منشی نول کشور کے مطبع سے چھپا تھا ۔ یہ صفحہ ۱۰۳ پر تمام ہو جاتا ہے ۔ اس میں کسی شخص نے یہ اہتمام کیا ہے کہ غالب کے جو اشعار متداول دیوان میں نہیں ہیں وہ حاشیے پر نقل کر دیئے ہیں ۔ مگر کہاں سے نقل کیے ، اس کا حوالہ نہیں دیا ۔ مثلاً آخر میں سادہ صفحے پر وہ قصیدہ نقل ہوا ہے جو غالب نے شیو نارائن آرام کو لکھ کر بھیجا تھا :

ملاذِ کشور و لشکر ، پناہ شہر و سپاہ
جنابِ عالی ایلن برون والا جاہ

اس کے آخر میں لکھا ہے : ''اصل قصیدہ تصنیف غالب است از نام شیو نارائن اولاد حسن ۲۳ مارچ ۱۸۸۶ع لیکن ظاہر ہے کہ یہ اردوے معلی سے نقل ہوا ہوگا ۔

اسی طرح کچھ اور غزلیں اور اشعار ہیں جو اب دیوانِ غالب نسخہ عرشی میں آ گئے ہیں اس لیے ان کا تذکرہ یا تفصیل یہاں غیر ضروری ہے ۔ لیکن صفحہ ۱۰۰ پر ایک غزل نقل ہوئی ہے ۔ جس میں چھ شعر ہیں ۔ اس کا پانچواں شعر آب زدگی کے باعث پڑھا نہیں جاتا ۔ بعض اور لفظ بھی مغشوش ہیں ۔ چونکہ ناقل نے حواشی میں غالب کا کلام نقل کرنے کا التزام کیا ہے اس لیے یہ غزل بھی (جس کے مقطع میں تخلص

اسد آیا ہے) اُس نے غالب ہی کی سمجھ کر نقل کی ہے ۔ یہ نسخہ عرشی میں بھی نہیں ہے ۔ قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ غالب کی زائیدہ فکر ہے ، تاوقتیکہ قدیم تر سند نہ ملے ۔

رفوے زخم میں حارج ہوا گھلنا مرے تن کا
سمجھتا ہے مجھے جراح آنسو چشم سوزن کا

پہنچتے ہی مرے غل ہو شکستِ رنگِ دشمن کا
بنا دے گردش قسمت مجھے . . . . کا

وہ میکش ہوں کہ اک مینائے بادہ ہے مرا قامت
شبیہ موج مے ہے جو شکن ہے میرے دامن کا

دیا ہوگا ترے خنجر کو میری ناتوانی نے
کہ ہر تار گریباں پر گماں ہے میری گردن کا

کھٹک جائے جو آنکھوں میں اسد میری شب غم کے
خورشید لے آ کر سپیدہ صبحِ روشن کا

مگر مجھے یہ غالب کا رنگ سخن نہیں ، اس کی پیروڈی معلوم ہوتی ہے ۔

(۲)

غالب کی وفات پر بہت سی تاریخیں کہی گئیں ۔ دیبی پرشاد سحر بدایونی کا دیوان مطبع منشی نولکشور سے جون ۱۸۹۴ء میں شائع ہوا تھا ۔ اس میں بھی صفحہ ۱۱۱ پر رجب علی بیگ سرور کی تاریخ وفات اور غالب کی تین تاریخیں ملتی ہیں ۔ پہلا قطعہ فارسی میں ہے جس کا عنوان ہے :

قطعہ تاریخ وفات نواب اسد اللہ خاں بہادر دہلوی

مرد چو او ، ایں ہمہ بے جاں شدند
شعر و سخن نثر و ہنر علم و فضل (۱۲۸۵ھ)

دوسرا قطعہ تاریخ اردو میں ہے :

تھا شاعر نامی یہی اب دنیا میں
افسوس یہ ہے کہ مر گیا غالب بھی
ہے سحر یہ مصرع مرے لب پر جاری
"دنیا سے آج چل بسا غالب بھی"

تیسرا قطعہ بھی اردو میں ہے جس کے چوتھے مندرجہ ذیل مصرع سے تاریخ برآمد ہوتی ہے :

وائے وا ویلا دریغ

(۳)

غالب کا رنگ سخن اپنے زمانے میں بہت کم مقبول ہوا ، پہلے شاہ نصیر اور ناسخ کا سکہ رواں تھا - پھر ذوق کی گرم بازاری رہی اور اس کے بعد داغ اور ان کے تلامذہ کا رنگ جما - غالب کے ہم عصروں میں ضلع بجنور کے ایک شاعر احمد حسن رسوا تھے جو اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے - اُن کا فکر معمولی ہے اور فنی اعتبار سے بھی کلام بلند نہیں - اُن کا دیوان اردو ، طبع ہو چکا ہے اور فارسی کا دیوان بھی مطبع نولکشور نے شائع کیا تھا - اس میں اُنھوں نے غالب کی متعدد زمینوں میں طبع آزمائی کی ہے اور کئی جگہ غالب سے خوشہ چینی بلکہ اس سے بہتر کہنے کا دعویٰ بھی کیا ہے -

اُن کا نام احمد حسن تخلص رسوا ہے - والد کا نام مولوی محمد حسن بجنوری - انبالے میں ملازم تھے اور غالباً محکمہ بندوبست سے تعلق تھا - ان کے دیوان میں ایک قصیدہ کولڈ اسٹریم (Coldstream) کی مدح بھی ہے - جس کا عنوان ہے "اشعار چند در مدح صاحب والا شان مسٹر کولڈ اسٹریم صاحب بہادر اسسٹنٹ کمشنر درجۂ اول ضلع انبالہ حال ڈپٹی کمشنر -" چند شعر یہ ہیں :

ظل ہما کنول بہ سرم سایہ گستر است
رسوا بہ بخت خویش بنازم کہ یا در است

یعنی کہ بار یافتہ ام در حضور آں کہ
فرمانروائے عصرو بہ شوکت سکندر است

دی جاہ صاحبے کہ با انگلینڈ و انڈیا
مانند او ، بہ مرتبہ و جاہ کمتر است

نام شریف مسٹر کولڈ اسٹریم است
فرماں دہے کہ غیرت فغفور و قیصر است

یہ کولڈ اسٹریم کون تھے ؟ ان کے بارے میں ہفت روزہ ہماری زبان (یکم مئی ۱۹۶۰ع) میں لکھ چکا ہوں - یہاں اتنی صراحت کر دینا کافی ہے کہ غالب سے اُن کے مراسم تھے ، سرسید سے بھی دوستی تھی غالباً ۱۸۶۸ع تک یہ دہلی میں جج عدالت خفیفہ رہے - اس دیوان کی ترتیب ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ع میں ہوئی - لیکن ورق اول پر لکھا ہے :

"دیوان رسوا . . . حسب فرمایش . . . نواب علاؤالدین خاں بہادر فرماں روائے لوہارو . . . بہ ماہ جنوری ۱۸۹۹ع مطابق ماہ رمضان ۱۳۱۶ھ"

دیوان کے آخر میں چھنی لال مائل کا قطعۂ تاریخ ہے۔ اس میں مصرع ذیل سے تاریخ ترتیب ۱۲۹۲ھ نکلتی ہے۔

گفت : بویا گل بستان سخن

اس میں صفحہ ۱ سے صفحہ ۶۱ تک قصائد فارسی ہیں۔ صفحہ ۶۲ سے غزلیات شروع ہوتی ہیں اور صفحہ ۱۴۲ تک ہیں۔ صفحہ ۱۴۳ سے تقریظات ہیں۔ اکثر غزلوں کے عنوان میں "در زمین غالب" لکھا ہوا ہے۔ بعض شعروں میں غالب کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ مثلاً

(ص۶۷) ندانستم کہ رسوا یکہ تاز عرصہ معینت
کہ درمیدان غالب اسپ فکرت راندہ است امشب

(ص۱۲۲) رسوا تمام فیض تصانیف غالب است
گویا ازو است آنچہ کہ خود ما نوشتہ ایم

(ص۱۲۸) چوں غالب خوش لہجہ چاں نغمہ سرائی
اے بلبل ایراں نہ رسوا ہوس است ایں

(ص۱۳۴) جز نظم و نثر غالب ذیشان ندیدہ ایم
رسوا تو فیض یاب ز انشائے کیستی ؟

(ص۱۳۶) رسوا بنازیم بکہ ایں قافیہ سنجی
ہیہات کجا غالب سنجیدہ بیاں ہائے

(ص۱۳۷) کہ می گوید غزل بر گفتہ غالب دگر گوید
وحید عصر خود ، جاہ دبیاں رسوا است پنداری

(ص۱۳۰) ہائے از مردن صہبائی و غالب رسوا
لحظۂ فارغ ، آزادیم از غم شاں

(ص ۱۱۵) ہمی گویم چو غالب نغز رسوا
چہ غم گر ہست گفتار من اندک

(ص ۱۱۳) دقیقہ سنج چو غالب چناں شوم رسوا
ندادہ اند مرا در ازل خیال دقیق

(۴)

دہلی سے ۱۹۲۲ء کے لگ بھگ منشی قربان علی بسمل ایک رسالہ اردوئے معلیٰ کے نام سے نکالتے تھے۔ اس کے کچھ شمارے نذیریہ لائبریری دہلی میں محفوظ ہیں۔ نومبر ۱۹۲۷ء کے شمارہ (جلد ۵ شمارہ ۸) میں ایک مضمون نثار علی شہرت کا ”نیچرل شاعری“ کے عنوان سے ہے جس میں غالب اور ذوق کا موازنہ کیا گیا ہے۔ اسی میں ایک مختصر سا مضمون منشی عبدالصمد فوق میرٹھوی کے بارے میں محمد جمیل نکودری کا لکھا ہوا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

”۔ ۔ ۔ ۔ یہ صاحب میرٹھ کے رئیس زادوں میں سے تھے۔ پہلے تو استاد ذوق کے شاگرد ہوئے تھے۔ پھر مرزا غالب کو اپنی غزل دکھانے لگے تھے۔“

تلامذۂ غالب مرتبہ مالک رام میں ان کا تذکرہ شامل نہیں ہے۔ مزید حالات بھی دریافت نہ ہو سکے۔ تلامذۂ غالب میں اور جن شاگردوں کے تذکرے شامل نہ ہو سکے ان میں الگزنڈر ہیڈرلی آزاد بھی ہیں۔ ان کے حالات تذکرہ یورپین و انڈویوروپین شعرائے اردو مرتبہ رام بابو سکسینہ، نیز مقالات ماجد (غالب کا ایک فرنگی شاگرد) میں ملیں گے۔ آزاد کا دیوان طبع ہو چکا ہے۔ دوسرے شاگرد منشی سخاوت حسین مدہوش

بدایونی ہیں جن کے حالات پر ایک مضمون جناب فرخ جلالی کا ، "آج کل فروری ۱۹۶۰ء" اور دوسرا ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا اردوئے معلیٰ ، دہلی یونی ورسٹی (شمارۂ اول) میں شائع ہو چکا ہے - تیسرے شاگرد اشرف الاخبار دہلی کے مالک و مدیر اشرف دہلوی ہیں جن کا حال تلامذۂ غالب میں نہیں - ان پر جناب محمد عتیق صدیقی کا مضمون رسالہ پگڈنڈی (سالنامہ ۱۹۵۹ء) میں ملاحظہ طلب ہے -

(۵)

قاطع برہان کے مباحثے میں لکھنؤ کے آغا علی شمس اور ان کے دو شاگردوں (قمرن جان مشتری اور امراؤ جان زہرہ) نے بڑی حصہ لیا تھا - اس کا حال ذکر غالب (طبع سوم ص۱۸) میں موجود ہے ان کے بارے میں ایک مضمون نادم سیتا پوری کا حال ہی میں شائع ہوا ہے (آج کل فروری ۱۹۶۰ء) بہ عنوان "غالب کی حریف زہرہ و مشتری -" اس سلسلے میں انھوں نے درگا پرشاد نادر کے تذکرۃ النساء سے فائدہ نہیں اٹھایا - یہ ۱۸۸۳ء میں مطبع اکمل المطابع دہلی سے شائع ہوا تھا :

"۔۔۔ زہرہ تخلص امراؤ جان نام ہے بی چھٹن جس کا عرف اور شہر لکھنؤ میں بیچ بازار چوک مقام ہے - میرزا آغا علی شمس (کذا) کی شاگرد خاص ہے ۔۔۔ امیر اللہ تسلیم کے دیوان کلیات میں ایک خط فارسی بنام زہرہ مشتری شائع ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں منہ پھٹ اپنے ایسے

شفیق استاد سے منحرف بھی ہو گئیں - چنانچہ وہ رقعہ بجنسہ نذرا جناب ہے . . .''

عطارو رقسم زہرہ و مشتری
باوج سخن نوری و انوری

آغا علی شمس برہم شدند
بنوعے پریشان و پر غم شدند

شما را بدیں پایہ و اعتبار
رسانید شمس فلک افتخار

و گرنہ بسے قحبہ در لکنھؤست
کرا ایں قدر عزت و آبروست

بنازید بر خود کہ اندر زمن
شمار شما ہست در اہل فن

بہر کیف یہ رنڈیاں نہایت منہ زور مشہور ہیں - اکثر اردو زبان کے اخباروں میں ان کے مباحثے مسطور ہیں - اچھے اچھے استادوں پر طعن کرتی ہیں . . . دیکھو ایک جھگڑا ان کا اشرف الاخبار دہلی مطبوعہ ۱۰ جولائی ۱۸۶۷ع میں یہ ہے :

''مشفق مہربان محمد میرزا خاں صاحب اشرف الاخبار دہلی زاد عنایتہ ،

بعد اشتیاق ملاقات کے یہ عرض ہے کہ آغا علی شمس جو منطق میں آج کل اپنے سے بہتر کسی کو نہیں جانتے اور ادب اور ریاضی و نجوم میں کسی کو نہیں مانتے انھوں نے لکھنؤ میں زہرہ و مشتری دو رنڈیوں کو علم موسیقی و عروض

و قافیہ تعلیم کیا ہے اور ان کو خدمت اساتذہ میں گستاخ کر دیا ہے - چنانچہ آپ نے اودھ اخبار نمبر ۲۶ میں ان کی غزلیں اور باتیں استادی منشی حسیب الدین صاحب سوزاں کے جواب میں دیکھیں اور زیارت غزل آغا صاحب کی بھی ، جو جواب استاد مرزا اسد اللہ خاں غالب صاحب میں لکھی ہے ، کی ہو گی - اور یقین ہے کہ طبع حق پسند و حق شناس پر حقیقت ان کی شرافت و اہلیت اور علم و فضل اور سخن فہمی کی کھل گئی ہو گی اور حسرت مناظرہ دل سے نکل گئی ہو گی - ہر چند میں جانتا ہوں کہ آپ کا مذہب صلح کل ہے اور مجادلہ و مناقشہ و مباحثہ سے آپ کو نفرت بالکل ہے لیکن اگر ان سب باتوں سے قطع نظر فرما کے میری خاطر سے صرف ان غزلوں کو اپنے اخبار میں طبع فرما دیجیے تو سخن دران حق پسند کو سخن دانی آغامعلوم ہو۔ اور حقیقت ان کی سخن فہمی کی مفہوم۔ فقط ۔ اور ہاں حضرت کو (یعنی غالب کو) زہرہ و مشتری کی تحریر اور آغا شمس کی تحریر سنائی اور دکھائی تھی - انھوں نے ہنس کر یہ قطعہ انوری کا پڑھا - اور یہ بات فرمائی : ''بھائی کیا کروں مجھ کو فلک بے مہر اور کواکب سپہر سے لہنا نہیں ہے مجھ سے ان کا کیا کہنا -'' قطعہ انوری

نے مراہست از کواکب فیض
نے مراہست از فلک بہرہ

(اس کا دوسرا شعر فحش ہے اس واسطے درج کتاب نہیں ہوا -)
راقم نور محمد خاں عطارد

(چمن انداز حصہ ۲ تذکرہ النساء نادری ۹۷ - ص ۹۸)

میرا خیال ہے کہ مراسلہ نگار کا یہ نام "نور محمد خاں عطارد" فرضی ہے - عجب نہیں کہ یہ خط خود غالب نے لکھ کر بھیجا ہو یا اپنے کسی شاگرد سے بھجوایا ہو -

(ستمبر ۱۹۶۰ع)

حادثۂ اسیری اور غالب

(ایک غزل کا زمانہ تصنیف)

منشی نبی بخش حقیر آگرے کے رہنے والے تھے اور غالب کے ان سے بہت گہرے تعلقات تھے۔ غالب اُن کی سخن سنجی اور سخن فہمی کے بھی معترف تھے ۔ ان کے نام غالب کے (۲۷) خطوط ہیں جو نادرات غالب کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں[۱] ۔ ایک فارسی خط پنج آہنگ میں بھی شامل ہے[۲] ۔

حقیر فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ مشورۂ سخن پہلے نظیر اکبر آبادی کے صاحبزادے خلیفہ گلزار علی اسیر سے تھا ۔ بعد میں غالب کے شاگرد ہو گئے ۔ اکتوبر یا نومبر ۱۸۶۰ع میں ان کا انتقال ہوا[۳]۔

پنج آہنگ میں جو فارسی خط ہے وہ کلیات نثر میں بھی شامل ہے ۔ یہ حادثہ اسیری کے بعد لکھا گیا ہے ۔ چنانچہ یہ جملہ "دریں روزگار کہ از بند ستم، رستگار و بہ بند

---

۱ - مرتبہ آفاق حسین آفاق دهلوی ، شائع کردہ مشہور پریس کراچی ۱۹۴۹ع - اس پر قاضی عبدالودود صاحب کا تبصرہ ملاحظہ ہو - معاصر حصہ ۱ -

۲ - کلیات نثر غالب ، طبع اول جنوری ۱۸۶۵ع/۱۰۳ -

۳ - تلامذۂ غالب/۹۴-۹۵ نیز نادرات غالب/۳۲ -

غم گرفتار بودم[1]" اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ اس کے آخر میں غالب نے یہ بھی اطلاع دی ہے کہ کل تیموری شہزادوں میں سے ایک نے بزم مشاعرہ منعقد کی تھی اور شاعروں کو غزل خوانی کی دعوت دی تھی مجھے اب شعر کہنے کا دماغ تو رہا نہیں ، نہ طبیعت اس طرف مائل تھی مگر بندگی بےچارگی، چنانچہ خاص اسی روز ، جب اس جلسے میں جانا تھا بلکہ عین اس وقت جب پالکی میں بیٹھا ہوا مشاعرے میں شرکت کے لیے جا رہا تھا ، چند اشعار بے طلب ذہن میں وارد ہوئے وہ تمھیں بھی بھیج رہا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ تم بھی اس زمین میں غزل لکھ کر مجھے بھیجو ۔

مگر نادرات غالب یا پنج آہنگ میں صرف یہ فارسی خط نقل ہوا ہے ۔ غزل کا پتا نہیں چلتا کہ غالب نے کون سی غزل بھیجی تھی ۔ بہ ظاہر اس کے دو سبب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ غزل علیحدہ کاغذ پر لکھ کر بھیجی ہوگی اور وہ محفوظ نہ رہا ۔ دوسرا زیادہ قوی قرینہ یہ ہے کہ پنج آہنگ فارسی نثر اور انشا کی کتاب تھی اس میں اردو غزل کا درج کرنا غیر ضروری سمجھا گیا ہوگا ۔ نادرات غالب کے مرتب نے یہ فارسی خط شاید اسی بیاض سے نقل کیا ہے جس میں غالب کے دوسرے غیر مطبوعہ خطوط تھے، کیوں کہ اس میں انھوں نے تاریخ کے ساتھ خط کا سنہ کتاب بھی لکھا ہے جو پنج آہنگ میں نہیں ہے (مگر انھوں نے خود اپنے

---

۱ - کریم الدین طبقات شعرائے ہند میں لکھتا ہے : ''ان ایام میں ، یعنی درمیان ۱۸۴۷ع کے ایک حادثہ ان پر جانب سرکار سے برا پڑا جس کے سبب ان کو بہت رنج لاحق حال ہوا'' (ص ۳۷۸)

ماخذ کی صراحت نہیں کی) پنج آہنگ میں اس خط کے خاتمے پر صرف تاریخ درج ہے -
"از اسداللہ نگاشتہ ۱۶/ ربیع الاول و ۲۲/فروری ہنگام نیم روز"[1]

نادرات غالب میں اس کے ساتھ ہی قوسین میں سنہ ہجری [۱۲۶۴ھ] بھی لکھا ہوا ہے اور سنہ عیسوی مشکوک ہے[2]۔ تقویم کے حساب سے ۱۸۴۸ء ۱۶/ربیع الاول ۲۱ فروری کے مطابق تھی اور دن دوشنبہ کا تھا - مگر میرا تجربہ یہ ہے کہ اس تقویم کے حساب میں ایک دن کا فرق رہ جاتا ہے - اس لیے ہجری و عیسوی تاریخوں کا جو تطابق غالب نے لکھا ہے اسی کو صحیح ماننا چاہیئے - گویا یہ خط ۱۶/ربیع الاول ۱۲۶۴ھ مطابق ۲۲/فروری ۱۸۴۸ء روز سہ‌شنبہ کا لکھا ہوا ہے۔

مجھے ایک قدیم قلمی بیاض میں غالب کا یہی خط ملا ہے[3]۔ اس میں نہ صرف یہ کہ بعض اہم لفظی اختلافات ہیں جو پنج آہنگ میں شمول کے وقت غالب نے کیے ہوں گے[4]، بلکہ

---

۱ - کلیات نثر غالب/۱۰۳

۲ - نادرات غالب ، (متن)/۲۰۱ -

۳ - بیاض قلمی مملوکہ راقم الحروف ، اس میں کچھ اور بھی اہم خطوط ہیں اس کا تعارف تفصیل کے ساتھ علیحدہ پیش کیا جائے گا ، نظر بہ ظاہر یہ ۱۸۵۷ء سے کئی برس پہلے لکھی گئی ہے اور اس میں مختلف انشاء پردازوں کے مکاتیب جمع کئے گئے ہیں - جامع کا نام ، سال کتابت وغیرہ کچھ معلوم نہیں ہوتا -

۴ - آگے جس خط کا متن کلیات نثر/۱۰۳ سے نقل کیا گیا ہے اس کی ابتدا ایک فارسی شعر " گفتنی نیست کہ بر غالب ناکام الخ" سے ہوتی ہے مگر بیاض میں یہ شعر نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے خط

(باقی صفحہ ۸۶ پر)

اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ریختہ کی جس غزل کا اس خط میں حوالہ ہے یہ وہ مشہور غزل ہے جس کا مطلع ہے :

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر ، تھا جو راز داں اپنا

اس کی داخلی فضا بھی یہ غمازی کر رہی ہے کہ حادثہ اسیری سے غالب کو جو ذہنی تکلیف پہنچی تھی اس کا ان کی شاعری پر کتنا اثر پڑا ۔ غالب اس زمانے میں شعر و سخن سے دل بر داشتہ ہو رہے تھے مگر قلعہ معلی کا معاملہ تھا اور قلعہ لاکھ بے رونق سہی پھر بھی غالب کا امید گاہ تھا ۔ انہوں نے طوعاً و کرہاً غزل لکھی اور عین اس وقت موزوں کی جب وہ سواری میں بیٹھے ہوئے گھر سے قلعہ کو جا رہے تھے۔ چنانچہ غزل کا یہ شعر اسی کیفیت کا آئینہ دار ہے ۔

درد دل لکھوں کب تک، جاؤں انکو دکھلا دوں
انگلیاں فگار اپنی خامہ خوں‌چکاں اپنا

جیسا کہ سیاق و سباق اور اس کے زمانۂ تصنیف سے ظاہر ہے ، یہ حادثہ اسیری کے بعد لکھا گیا ہے ۔ قمار خانہ قائم کرنے کے الزام میں غالب دوبار ماخوذ ہوئے تھے۔ پہلی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۵)
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر ۱۶/ستمبر ۱۸۴۸ع سے دو تین دن پہلے لکھا گیا تھا - پھر یہ اس خط میں کیسے آگیا جو ۲۲/ فروری ۱۸۴۷ع کا مرقومہ ہے ۔ یہ معما دوسرے موقع پر حل کروں گا ۔ فی الحال صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ کلیات نثر میں شمول کے وقت اضافہ کیا گیا ہوگا ۔

بار تو ۱۸۴۱ع میں ، اس وقت سو روپیہ جرمانہ ہوا تھا[1] ، اگر ادا نہ کریں تو چار مہینے کی قید ــــ یہ جرمانہ دے کر چھوٹ گئے - دوبارہ ۱۸۴۷ع میں پکڑے گئے[2] - قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی مجرم پہلے کسی جرم میں ماخوذ ہو کر تاوان ادا کر چکا ہو اور پھر اسی جرم کا ارتکاب کرے تو اب کی قید اور جرمانہ دونوں بھگتے گا - غالب نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے کہ کسی طرح قید کی ذلت سے چھوٹ جائیں ، قلعے سے بھی سفارش آئی ، شہر کے عمائد نے بھی سعی کی مگر کسی کی پیش نہ گئی اور اس بار انہیں جیل کی ہوا کھانی پڑی - وہ ۲۵/مئی ۱۸۴۷ع کو پکڑے گئے تھے[3] - ۲/جولائی ۱۸۴۷ع کو عدالت فوجداری سے اس مقدمہ کا فیصلہ سنایا گیا جس میں چھ مہینے کی قید بامشقت اور دو سو (۲۰۰) روپے جرمانے کی سزا تجویز کی گئی تھی[4] - اگر جرمانہ ادا نہ کریں تو قید میں چھ ماہ کا اور اضافہ ہو جائے گا - غالب نے اپنی برات کے لیے صدر میں اپیل کیا مگر عدالت ماتحت کا فیصلہ بحال رہا صرف اتنی رعایت ہو گئی کہ اگر اصل جرمانے کے علاوہ پچاس روپے اور ادا کر دیں تو مشقت مقرری

---

۱ - دھلی اردو اخبار مورخہ ۱۵ اگست ۱۸۴۱ع مخزونہ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا نئی دھلی -

۲ - ذکر غالب (طبع سوم) ۸۳ -

۳ - امتیاز علی عرشی : قدیم اخبارات کی کچھ جلدیں ، مشمولہ سہ ماہی نوائے ادب بمبئی اپریل ۱۹۵۸ع (اس کی خبر ۳۱/مئی ۱۸۴۷ع کے ' فوائد الناظرین ' میں شائع ہوئی تھی - یہ ماسٹر رامچندر کا اخبار تھا) -

۴ - حسن نظامی : دھلی کا آخری سانس/۱۷۴ - ۱۷۵ -

معاف کر دی جائے۔ اندازہ یہ ہے کہ غالب نے یہ پچاس روپے زائد تاوان دے دیا ہوگا، مگر وہ پورے چھ ماہ جیل میں نہیں رہے تین مہینے گزرے تھے کہ ایک دن ڈاکٹر راس سول سرجن[1] قیدیوں کا معائنہ کرنے آئے اور انہوں نے غالب سے بھی تفحص احوال کیا تو انہوں نے یہ شعر پڑھا:

جس دن سے کہ ہم غم زدہ زنجیر بپا ہیں
کپڑوں میں جوئیں بخیہ کے ٹانکوں سے سوا ہیں

سول سرجن اتنا متاثر ہوا کہ اس نے غالب کی سفارش کر کے اختتام میعاد سے پہلے ہی رہا کروا دیا۔

اس موقع پر یہ اعادہ ضروری ہے کہ غالب کی گرفتاری ۲۵ مئی ۱۸۴۷ع کو عمل میں آئی تھی اور ۲ جولائی ۱۸۴۷ع کو عدالت فوجداری کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا پھر غالب نے اپیل کیا۔ اس میں بھی کم سے کم دو تین ماہ ضرور گزر گئے ہوں گے اور تین مہینے غالب جیل میں رہے گویا وہ ۱۸۴۷ع کے اواخر میں یا ۱۸۴۸ع کے اوائل میں قید سے رہا ہوئے اور یہ خط انہوں نے فروری ۱۸۴۸ع میں (گویا رہائی سے ایک یا ڈیڑھ ماہ کے بعد ہی) لکھا ہے۔ اس پس منظر میں مذکورہ غزل کے یہ شعر خاص طور سے غور طلب ہیں:

دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
بارے آشنا نکلا اُن کا پاسباں اپنا
ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں یکتا تھے
بے سبب ہوا، غالب دشمن آسماں اپنا

---

۱ - کلام عاصی (طبع دھلی)/۲۶۳ -

یہ غزل ۱۸۴۱ع والے پہلے ایڈیشن اور ۱۸۴۷ع والے دوسرے ایڈیشن میں شامل نہیں ہے[1]۔ لیکن دیوان غالب مطبوعہ ۱۸۴۷ع کا جو نسخہ کتاب خانہ رام پور میں ہے اس کے آخر میں غالب کا وہ کلام نقل ہوا ہے جو اس دیوان کی اشاعت کے بعد غالب نے کہا تھا[2]۔ اس میں یہ غزل بھی شامل ہے۔ اس زمانے میں غالب نے اور جو غزلیں کہی تھیں ان میں یہ اشعار بھی اسی ذہنی فضا کو پیش کرتے ہیں[3]:

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں
جب رشتہ بے گراہ تھا، ناخن گرہ کشا تھا

تنگئی دل کا گلہ کیا، یہ وہ کافر دل ہے
کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

---

۱ - دوسرا ایڈیشن مطبع دارالسلام، حوض قاضی دھلی سے مئی ۱۸۴۷ع میں چھپا تھا - اس کا ایک نسخہ کتب خانہ دھلی یونیورسٹی میں تھا، لیکن اب وھاں سے غائب ہو چکا ہے - مگر اس کی ایک نقل رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے - معلوم ھوتا ہے کہ اشاعت کے لیے دیوان کا مسودہ غالب بہت پہلے تیار کروا چکے تھے ورنہ ذکر اس پری وش کا الخ اس میں ضرور شامل ھونی چاھیئے تھی -

۲ - امتیاز علی عرشی: دیوان غالب نسخہ عرشی/۹۶—۹۷ -

۳ - مولانا عرشی نے حادثہ اسیری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''غرض اس کانٹے کے چبھنے سے بھی ان کا بہت سا خون دل کاغذ کے صفحوں پر بہا اور ھمارے لیے متعدد شاھکار نقش باقی رہ گئے'' (نسخہ عرشی/۶۱)۔

تم سے بے جا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبہ خوبئی تقدیر بھی تھا

تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا بتلا دوں
کبھی فتراک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی یاد
ہاں کچھ اک رنج گراں باری زنجیر بھی تھا

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

حد چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے
آخر گناہگار ہوں، کافر نہیں ہوں میں[1]

کوئی دن زندگانی اور ہے
اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے[2]

---

۱ - اس غزل کے بارے میں غالب نے نواب کلب علی خاں والئی رام پور کو لکھا تھا - ''جب بادشاہ دھلی نے مجھے نوکر رکھا اور خطاب دیا اور خدمت تاریخ نگاری سلاطین تیموریہ مجھ کو تفویض کی تو میں نے ایک غزل طرز تازہ پر لکھی'' (مکاتیب غالب) اس لحاظ سے یہ ۴/جولائی ۱۸۵۰ع کے بعد لکھی گئی -

۲ - اس شعر کے بارے میں ۲۴ اگست ۱۸۶۴ع کے ایک خط میں قاضی عبد الجمیل جنون کو غالب نے لکھا تھا '' اس میں

(باقی صفحہ ۹۱ پر)

ہوچکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

اس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب
ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے [۱]

پُر ہوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے
کیوں نہ ٹھیریں ہدفِ ناوکِ بیداد کہ ہم
آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے
خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بد خواہ
کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۰)
کوئی اشکال نہیں، جو لفظ ہیں وہی معنی ہیں - شاعر اپنا قصد کیوں بتائے کہ میں کیا کروں گا - خدا جانے شہر میں یا نواح شہر میں تکیہ بنا کر فقیر ہو کر بیٹھ رہے یا دیس چھوڑ پردیس چلا جائے'' (خطوط غالب مرتبہ مہیش پرشاد ص ۱۲۷) -

۱ - ملاحظہ ہو نادرات غالب/۱۲ نیز نسخہ عرشی/۳۶۳
یہ غزل ۱۱/مئی ۱۸۵۱ع کے دہلی اردو اخبار میں چھپی تھی اور اسے حقیر کے پاس بھیجتے ہوئے غالب نے لکھا تھا : ''داد دینا کہ اگر ریختہ پایۂ سحر یا اعجاز کو پہنچے تو اس کی یہی صورت ہوگی یا کچھ اور ؟''

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی
جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

بخت ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں
چرخ کج باز نے تاکا کہ کرے مجھ کو ذلیل
پیچھے ڈالی ہے سر رشتۂ اوقات میں گانٹھ
پہلے ٹھونکی ہے بُنِ ناخن تدبیر میں کیل

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا
ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

ہوا جب غم سے یوں بے حس تو غم کیا سر کے کٹنے کا
نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانوں پر دھرا ہوتا

دل ہی تو ہے سیاست درباں سے ڈر گیا
میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کیے

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے
غالب تمھیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یا رب کئی دیے ہوتے

یہ سب غزلیں ۱۸۴۷ء کے بعد کی لکھی ہوئی ہیں اور اگر غالب کے حادثہ اسیری کا پورا واقعہ کسی کے ذہن میں ہو تو وہ ان کے بین السطور میں غالب کے ان جذبات و احساسات کا اندازہ کر سکتا ہے جنھوں نے غالب کو یہ لکھنے پر مجبور کر دیا تھا :

"میں ہر اک کام خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں اور خدا سے لڑا نہیں جا سکتا ۔ جو کچھ گذرا اس کے ننگ سے آزاد اور جو کچھ گذرنے والا ہے اس پر راضی ہوں ۔ مگر آرزو کرنا آئین عبودیت کے خلاف نہیں ہے ۔ میری یہ آرزو ہے کہ اب دنیا میں نہ رہوں اور اگر رہوں تو ہندوستان میں نہ رہوں ۔ روم ہے ، مصر ہے ، ایران ہے، بغداد ہے ۔ یہ بھی جانے دو خود کعبہ آزادوں کی جائے پناہ ، آستانۂ رحمۃ للعالمین ، دلدادوں کی تکیہ گاہ ہے ۔ دیکھیے وہ وقت کب آئے گا کہ درماندگی کی قید سے جو اس گذری ہوئی قید سے زیادہ جاں فرسا ہے ، اور بغیر اس کے کہ کوئی منزل مقصود قرار دوں ۔ سر بصحرا نکل جاؤں ۔ یہ ہے جو کچھ کہ مجھ پر گذرا ، اور یہ ہے جس کا میں آرزو مند ہوں[1] ۔"

---

۱ - حالی : یادگار غالب/۲۷-۲۸ (طبع ۱۹۶۳ء) نیز باغ دودر ، مرتبہ سید وزیر حسن عابدی ، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین ۱۹۶۱

یہاں غالب کا وہ فارسی خط نقل کیا جاتا ہے ۔ اس کا مقابلہ کلیات نثر کی پہلی اشاعت (۱۸۶۸ع) سے کیا گیا ہےاور جو اختلافات نظر آئے ان کی نشان دہی حواشی میں کردی ہے ۔

بنام منشی نبی بخش اکبر آبادی سرشتہ دار فوجداری کول :

اندیشہ[1] گواہ است و مشاہدہ شاہد کہ کاستن[2] بہر آراستن است و زدون از برائے نمودن ۔ سرد را چوں بیارانید بپرانید ، وبادہ راتا بہ پیمایند[3] بپالایند نے پارۂ راتا بہ بریدن پارہ ازاں بہ خوردگی نہ رود صورت قلم نتواں داد، آرے درکار گہ کون وفساد، ہیچ فساد بے کون و ہیچ کون بے فساد نیست[4] بسپہرم بردند و چندے ہم براں[5] پایہ نگذاشتند[6] ، وسپس بر زمین زدند تا پیکرم چناں بخاک نقش بست کہ آں نقش بہ ہیچ کذالک[7] از خاک نتواں سترد گوئی دریں کون و فساد کہ ناگاہ روے داد مرابروند[8] [و] خستہ را بجائے من آوردند کہ مرگ از زیستن و خندہ از گریستن نشناسد ۔ یارب ایں پیکر کہ بخاک نقش بستہ[9]

---

۱ - کلیات نثر/۱۰۳ میں اس خط کا سرنامہ یہ فارسی شعر ہے

گفتنی نیست کہ بر غالب ناکام چہ رفت
می تواں گفت کہ ایں بندہ خدا وند نداشت

۲ - کلیات : از بہر
۳ - کلیات میں یوں ھی ہے مگر بیاض منقول عنہ میں بپالایند
۴ - کلیات : زخاکم آفریدندوبہ سبہر بردند (بیاض میں بشہر بردند) جو ظاھراً کتابت کا سہو ہے ۔
۵ - کلیات بداں
۶ - کلیات نگاہ داشتند
۷ - کلیات : کذالک
۸ - کلیات : مرا بردندوخستہ
۹ - کلیات : بست

واین نقش کہ ازاں پیکر بخاک نشستہ[۱] زود باشد کہ از روے خاک تہ خاک سپرند ، دریں روزگار کہ نہ زہند ستم رستگر و بہ بند غم گرفتار بودم[۲] سخن ور جادو بیان از خود رفتہ لالہ ہرگوپال تفتہ رابسوم گذار افتاد شنیدم کہ آں لطف گستر بوطن رفتہ بودند[۳] [و] اینک آمدہ اند، عجب آمد کہ بنامۂ ننواختند ۔ ہمانا ہم نشینی و ہم زبانی من[۴] باتفتہ ہم زبانی وہم نشینی باخویش[۵] شناختند و حقا کہ چنیں است ۔ دوش یکے از شاہزاد گان تمر خانیہ بزم سخن آراستہ بود و سخن سنجاں رابغزل خوانی خواندہ ، مرا کہ بگفتن ریختہ سرے نماندہ اگرچہ [بگفتن غزل مامور شدم و دل بداں نہ بستہ بودم[۶]] اما روزے کہ شب بداں انجمن باید رفت[۷] خاصہ[۸] وقتے کہ سوارہ رہ می بریدم[۹] بیتے چند بے خواست از دل غم زدہ سر برزد چناں کہ بشما [نیز[۱۰]] می فرستم و می خواہم کہ ہم دریں زمین غزلے گفتہ بمن فرستند

[غزل ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر ، تھا جو رازداں اپنا

جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا یہ خط قید سے رہائی کے بعد لکھا ہے ۔ اس میں تفتہ کے دہلی آنے کا بھی ذکر ہے

---

۱ - کلیات : نشست
۲ - کلیات : گرفتارم
۳ - کلیات : بووندانیک
۴ - بیاض منقول عنہ میں بس
۵ - ہم نشینی خویش بامن
۶ - کلیات : اگرچہ دل بسگالش بنشستہ بودم (۸ بستہ ؟)
۷ - کلیات : بایست
۸ - کلیات : ہنگامی
۹ - کلیات : رہ می بردم
۱۰ - کلیات میں نیز ندارد

وہ غالب کو رہائی کی مبارک باد دینے آئے ہوں گے - خط کے آخر میں غالب نے حقیر سے فرمایش کی ہے کہ مشاعرے کی غزل تمھیں بھیج رہا ہوں تم بھی اس زمین میں غزل لکھ کر مجھے بھیجو - چناں چہ نبی بخش حقیر نے غالب کی یہ فرمایش پوری کی ہے - مگر افسوس ان کی پوری غزل نہیں ملتی صرف ایک مطلع دستیاب ہوتا ہے[1] -

دیر میں ہے ذکر اپنا کعبے میں بیاں اپنا
ایک ہم ہیں اور چرچا ہے کہاں کہاں اپنا

(۱۹۶۲ع)

---

۱ - مالک رام : تلامذہ غالب/۹۶ نیز آفاق حسین : نادرات غالب/۳۶

تلامذۂ غالب پر ایک نظر

میرزا اسد اللہ خاں غالب ، اردو کے وہ خوش نصیب شاعر ہیں جن کی زندگی اور فن کے بہت سے گوشوں پر سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے اور بعض عالموں نے اپنی عمر عزیز کا بڑا حصہ اُن کی تحقیق و تفتیش میں بسر کر دیا ہے - یوں تو ”غالب شناسی“ کی مہم کا آغاز حالی نے کیا تھا لیکن اُن کے بعد جن حضرات نے غالبیات کے سلسلے میں گراں قدر اضافے کیے ہیں - اُن میں قاضی عبدالودود ، امتیاز علی عرشی ، مالک رام اور مہیش پرشاد امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور اُن میں بھی جناب مالک رام کو ایک حیثیت سے زیادہ اہمیت حاصل ہے - اوروں نے غالب پر تحقیق کو ”پھیلایا“ ہے اور انھوں نے ”سمیٹا“ ہے - چنانچہ ”ذکر غالب“ سوانحی خوبیوں کے لحاظ سے بے مثال بھی ہے اور مثالی بھی -

پچھلے سال جناب مالک رام کی ایک اور کتاب ”تلامذۂ غالب“ شائع ہوئی تھی - اس میں غالب کے (۱۴۶) شاگردوں کے حالاتِ زندگی اور اُن کے کلام کا انتخاب شامل ہے - اس کی ترتیب و تألیف اور تلاش و تحقیق میں کتنی محنت کی گئی ہے - اس کا اندازہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ مؤلف نے (۱۴۸) مختلف مطبوعہ اور قلمی کتابوں سے استفادہ کیا ہے - جن میں (۲۳) رسائل و جرائد کے مجلدات بھی شامل ہیں - اس کتاب میں غالب کے (۲۷) تلامذۂ کی تصویریں بھی جمع کر دی گئی ہیں - جن میں بعض نادر ہیں ، اور پہلی بار منظر عام

پر آئی ہیں ۔ اس کے علاوہ (۳۹) نام ایسے ہیں جن کا تذکرہ ضمناً حواشی میں آ گیا ہے اور مؤلف نے اُن کے بارے میں بھی مفید معلومات مختصر پیرائے میں مہیا کر دی ہیں ۔

ایک انگریز نقاد نے لکھا تھا کہ اچھا لکھنے والا وہ ہے جو یہ بھی جانتا ہو کہ "کیا بات نہیں لکھنی چاہیے" ! مالک رام کی تحریروں میں یہ وصف بہت نمایاں ہے ۔ وہ اپنے موضوع کا پوری طرح احاطہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں اور "انتخاب مواد" کا حیرت انگیز ملکہ رکھتے ہیں ۔ اُن کی تحریروں میں احتیاط ، توازن ، وقار اور سنجیدگی کے ساتھ دلکشی اور جاذبیت موجود ہے اور تحقیقی مضامین کے لیے اُن کا اسٹائل نہایت موزوں ہے ۔

"تلامذۂ غالب" چونکہ اپنے موضوع پر واحد اور اہم کتاب ہے ۔ اس کے علاوہ اُس کی حیثیت ایک "تذکرے" کی ہے ۔ اس لیے میں یہاں اس کے بعض تسامحات کا ذکر کروں گا تاکہ فاضل مؤلف آئندہ ایڈیشن کی تیاری کے وقت اُن پر غور فرما سکیں ، اور میری رائے سے متفق ہوں تو اس کی تصحیح کی جا سکے ۔

اس کتاب میں جو فرو گذاشتیں ہوئی ہیں اُن کی نوعیت یہ ہے کہ اکثر کتابت کی غلطیاں ہیں ، لیکن جہاں یہ باور کرنے کے لیے صریح قرینہ موجود ہے ، میں نے نظر انداز کر دیا ہے ۔ بعض مآخذ مؤلف کی دسترس سے باہر رہ گئے ، اُن کی طرف میں نے اشارہ کر دیا ہے ۔ کئی جگہ مجھے شبہ وارد ہوتا ہے اور بعض امور محض میری رائے سے علاقہ رکھتے ہیں ۔

۱ ۔ امراؤ مرزا انور دہلوی کے ترجمے میں لکھا ہے :

"۱۸۵۷ء کے بعد پہلے رام پور اور وہاں سے جے پور گئے ۔

وہیں ۱۸۸۵ع (۱۳۰۲ھ) میں ۳۸ برس کی عمر میں خدا کو پیارے ہوئے[۱] ۔"

اس حساب سے انور کا سال پیدایش ۱۸۴۷ع قرار پاتا ہے ۔ اس کے بعد یہ بیان پڑھیے :

"نواب سعید الدین احمد خاں طالب نے اپنے والد نیر رخشاں سے اُن کی شاگردی کے سلسلے میں ایک عجیب روایت نقل کی ہے ۔ لکھتے ہیں کہ جب . . . . عارف کو خط نسخ سیکھنے کا شوق ہوا ، تو وہ سید جلال الدین یاقوت رقم ثانی . . . . کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اُن دنوں عارف کی شاعری کا عام شہرہ تھا ، اُدھر میر جلال الدین کے ان دونوں صاحبزادوں کو شاعری کی چٹیک تھی اور وہ ایک اچھے استاد کی ٹوہ میں تھے ۔ میر جلال الدین کو یہ اچھا موقع ہاتھ آیا انھوں نے عارف سے کہا کہ میں آپ کو یوں تو شاگرد کرتا نہیں ، ہاں تبادلہ کرتا ہوں ۔ یعنی میں آپ کو نسخ کی تعلیم دوں گا اور اس کے اصول بتاؤں گا ۔ آپ میرے دونوں لڑکوں کو شاعری کے رموز بتائیں اور شاعر بنا دیں ۔ عارف مرحوم نے منظور کر لیا اور معاملہ اس پر طے ہو گیا ۔ اگرچہ عارف نے ایک سال کے بعد سلسلۂ تعلیم ختم کر دیا ، اور استاد نے سند لکھ دی ، لیکن ظہیر اور انور مدتوں عارف سے اصلاح لیتے رہے . . . . جب بہادر شاہ ظفر کو اُن کا حال معلوم ہوا تو

---

۱ - تلامذہ / ۴۲ -

انہوں نے ان دونوں کو استاد ذوق کے سپرد کر دیا . . . ذوق کے بعد انور غالب سے مشورہ کرنے لگے تھے . . . .[۱]" -

ذوق کی وفات ۱۶ نومبر ۱۸۵۴ع کو ہوئی[۲] اور عارف نے اپریل ۱۸۵۲ع میں انتقال کیا[۳] - اگر طالب مرحوم کی مذکورہ بالا روایت کو صحیح سمجھا جائے تو اس کے ساتھ یہ تسلیم کرنا بھی لازم آتا ہے کہ انور نے ۴-۵ سال کی عمر میں عارف سے استفادہ کیا اور ۶ - ۷ سال کی عمر میں ذوق سے اور یہ عادتاً محال ہے کہ انہوں نے عالم شیر خوارگی ہی میں شعر کہنا شروع کر دیا ہو - جبکہ "ظہیر اور انور مدتوں عارف سے اصلاح لیتے رہے" اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عارف کی وفات (۱۸۵۲) سے بہت پہلے تعلق تلمذ پیدا ہو چکا تھا -

انور کا دیوان ۱۸۹۹ع میں مطبع رفاہ عام لاہور سے شائع ہوا تھا - اس کے خاتمے پر ایک طویل تقریظ ، انور کے بھائی ظہیر دہلوی کی بھی شامل ہے - انہوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ "فن سخن کا اکتساب شیخ محمد ابراہیم ذوق و میرزا اسد اللہ خاں غالب سے کیا تھا مگر شاید کوئی ایک ایک دو دو غزل دکھانے کا اتفاق ہوا ہو" (دیوان انور / ۱۴۷) -

لیکن مجھے پھر بھی یہ قبول کرنے میں تامل ہے کیونکہ ذوق کی وفات کے وقت انور محض طفلک ناداں تھے -

---

۱ - تلامذہ / ۱۴ -

۲ - ذکر غالب (طبع سوم) / ۹۱ -

۳ - ایضاً / ۱۳۷ -

۲ - منشی غلام بسم اللہ بسمل میرٹھی کے حال میں لکھا ہے : "نعت بھی کہتے تھے - چنانچہ نعتوں کا ایک مجموعہ "نالۂ بسمل" کے عنوان سے شائع کیا تھا"[۱] -

"نالۂ بسمل" کا ایک نسخہ میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے - یہ ۳۲ صفحوں کا مختصر سا رسالہ ہے، جسے "نعتوں کا مجموعہ" ہرگز نہیں کہا جا سکتا - اس کی کیفیت خاتمۂ کتاب کے مندرجہ ذیل ترقیمے سے ظاہر ہوگی :

"شکر خداوند ذوالجلال کہ نسخۂ عدیم المثال در حال پر ملال ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ از تصنیف لطیف ، عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، مولوی غلام بسم اللہ صاحب بسل رئیس بریلوی . . . . ارشد تلامذہ نواب اسداللہ خاں صاحب غالب ، مطبع مطلع العلوم و اخبار نیر اعظم مراد آباد میں . . . . ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۶ع کو چھپ کر سرمۂ چشم مشتاقاں ہوا"[۲] -

حضرت بلال کا یہ قصہ ترکیب بند مسدس کی شکل میں نظم ہوا ہے - پہلا بند یہ ہے :

طالب مولیٰ کا فسانہ ہے یہ
تارک دنیا کا فسانہ ہے یہ
راغب عقبیٰ کا فسانہ ہے یہ
عاشق شیدا کا فسانہ ہے یہ
دل سے سنو دوستو یہ داستاں
لکھتا ہے یوں راوی رنگیں بیاں

---

۱ - تلامذہ/۹۴ - ۲ - نالۂ بسمل/۳۲ -

خاتمے پر بھی لکھا ہے ۔ "تمام شد نسخۂ وفات نامۂ بلال رضی اللہ عنہ" ۔ اس کے بعد ایک نعتیہ قصیدہ ہے اور پھر قدسی کی مشہور عالم نعت "مرحبا سید مکی مدنی العربی" کی تضمین ہے ۔ تضمین کے بعد "تاریخ تصنیف ریختۂ قلم . . . . حضرت مولوی صاحب عالم متخلص بہ صاحب . . . . کہ بسیار طول دادہ بودند چند اشعار ازاں چیدہ نوشتہ شد[1] ۔"

بسمل ہی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ "حضرت شاہ عبدالرحمن (گنج) سے بیعت تھے[2] ۔" "گنج" اُن کا لقب نہیں ۔ اس سے عموماً قاری کو دھوکا ہو جاتا ہے ۔ ثانیاً یہ کہ وہ حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی سے بیعت ہوں گے ۔ یہ نام غلط لکھا گیا ہے ۔

۳ ۔ لالہ بالمکند بےصبر کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ دیوان اور ایک مثنوی "لخت جگر" مطبوعہ موجود ہے ۔

مثنوی میں ۲۵۰۰ شعر ہوں گے ۔ ایک دوسری مثنوی "اخگر عشق" غیر مطبوعہ رہ گئی ۔ یہ ۱۲۷۳ھ میں لکھی گئی تھی ۔ "لالہ پر داغ" تاریخ ہے[3] ۔

صرف یہی نہیں، بے صبر کا بہت سا اُردو، اور فارسی کلام غیر مطبوعہ ہے ۔ اُن کے ضخیم کلیات کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کو دستیاب ہوا تھا جو تقریباً ۴۳۸ صفحات کو محیط ہے ۔ اس میں غزلیں، مثنویاں، قصائدقطعات رباعیات، تاریخیں، مسدس، مخمس سبھی کچھ موجود ہے ۔

---

۱ ۔ نالہ بسمل / ۳۱ ۔ ۲ ۔ تلامذہ / ۴۹ ۔
۳ ۔ تلامذہ/۵۵ ۔

چند قصائد مرزا غالب کی مدح میں بھی ہیں - اور اُن کا بیشتر حصہ غیر مطبوعہ ہے - یہ کلیات صحت اور اہتمام سے مرتب ہو کر شائع ہو جائے تو بے صبر کی ساری عمر کی کمائی محفوظ ہو جائے گی -

۴ - ذیلی حاشیے میں شیخ مہدی علی ذکی مراد آبادی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ "کلیات مطبوعہ موجود ہے -" ذکی کا کلیات آج تک نہیں چھپا ، البتہ ان کا اردو دیوان طبع ہوا تھا - اور اب بہت کمیاب ہے - دیوان ذکی کا ایک قلمی نسخہ دہلی یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے - اور اُس میں مطبوعہ نسخے سے بعض اختلافات کے علاوہ کچھ کلام زائد بھی ہے - یہ نسخہ وفات ذکی کے چند سال بعد اُن کے ایک شاگرد نے لکھنؤ میں نقل کیا تھا -

۵ - قاضی عبدالجلیل جنون کے بارے میں لکھا ہے : "کتب درسیہ صدرالصدور مفتی عنایت اللہ (مصنف تواریخ حبیب الہ) سے پڑھیں[۱] -" ان کا صحیح نام مفتی عنایت احمد ہے - یہ کاکوری کے رہنے والے تھے اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں[۲] -"

۶ - حالی کے حال میں لکھا ہے : اُردو کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی یکساں دستگاہ تھی اور ان زبانوں میں بھی اُن کا مختصر دیوان موجود ہے[۳] -"

---

۱ - تلامذہ/۷۶ -

۲ - تفصیل کے لیے : تذکرہ مشاہیر کاکوری از حافظ محمد علی حیدر ، اور نزہۃ الخواطرفی بہجۃ المسامع والنواظر - الجزء السابع ۳۶۱ شائع کردہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن - (۱۹۵۹ء) -

۳ - تلامذہ/۸۸ -

حالی کا اردو دیوان عام طور سے مل جاتا ہے۔ عربی اور فارسی میں اُن کا کوئی دیوان نہیں ، فارسی کی چند غزلیں اور نظمیں (مثلاً سرسید کا مرثیہ) اور عربی میں چند اشعار ہیں۔ انہیں "مختصر دیوان" کی حیثیت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اُن کا یہ کلام اگست ۱۹۱۴ع میں کتابی صورت میں شائع ہوا تھا۔ (حالی کی تصانیف کے سلسلے میں ملاحظہ ہو رسالہ صحیفہ لاہور دسمبر ۱۹۵۸ع)

۷ - شاہ رؤف احمد رافت رامپوری کا حال حاشیۂ ذیلی میں لکھا ہے ، اور یہ کہ "اپنے مرشد کے ملفوظات ' دارالمعارف ' کے عنوان سے جمع کیے[1]"۔

اس مجموعہ کا صحیح نام 'دارالمعارف' ہے۔ اور یہ حضرت شاہ غلام علی نقشبندی کے ملفوظات ہیں۔

۸ - ذیلی حاشیے ہی میں جارج پیش شور کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اُن کی تصانیف میں منظوم سوانح عمری کا نام نہیں آیا۔ یہ بھی طبع ہو چکی ہے۔

۹ - نواب سید سجاد مرزا ، سجاد دہلوی کے ترجمے میں لکھا ہے : پدری سلسلہ برہان الملک سعادت علی خاں میر محمد امین نیشا پوری نواب وزیر اودھ کے واسطے سے حضرت امام موسیٰ کاظم سے ملتا ہے[2]"۔

میر محمد امین نیشا پوری کو محمد شاہ پادشاہ کے دربار سے "سعادت علی خاں برہان الملک" کا خطاب ملا تھا۔

---

۱ - تلامذہ/۱۰۴ ۲ - تلامذہ/۱۴۴

"سعادت علی خاں" اُس کا نہیں ، اودھ کے پانچویں وزیر کا نام ہے جو آصف الدولہ کے بعد والیِ ریاست ہوا تھا ۔ ثانیاً یہ کہ پدری سلسلہ کا برہان الملک کے واسطے سے ملنا محال ہے ۔ اُس کی اولاد میں ایک بیٹا اور چھ بیٹیاں تھیں ، بیٹا نو عمری ہی میں چیچک یا کسی اور بیماری سے مر گیا تھا[1] ۔ اسی لیے برہان الملک کے بعد خلعت وزارت اُس کے بھانجے اور داماد مرزا مقیم کو عطا ہوا جس نے بعد میں "صفدر جنگ" کا خطاب دربار شاہی سے حاصل کیا ۔ سعادت خاں کے ایک بھائی سیادت خاں تھے ، یہ ممکن ہے کہ سجاد کا پدری سلسلہ ان کے واسطے سے حضرت موسیٰ کاظم تک پہنچا ہو ۔

۱۰ ۔ نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ پر "باغیوں کی مجرمانہ اعانت" کا الزام ، اُن کی گرفتاری ، اور پھر رہائی کے سلسلے میں نواب صدیق حسن خاں کی کوشش و سفارش کا واقعہ بیان کرتے ہوئے جناب مالک رام نے لکھا ہے :

"ان کی رہائی کے لیے نواب والا جاہ ، امیر الملک مولوی صدیق حسن خاں بہادر (بھوپال) نے بعض انگریزی حکام کے توسط سے خاص کوشش کی تھی ۔ اُن کا مقدمہ مولوی مومن علی خاں سندیلوی صدرالصدور کی عدالت میں تھا ۔ نواب والا جاہ نے اُن کے نام سفارشی خط لکھا ۔ خدا کے فضل سے شیفتہ رہا ہو گئے لیکن جائیداد ضبط ہوگئی ۔ رہائی کے بعدانھوں نے شکریے کا خط نواب صدیق حسن خاں بہادر کو

---

۱ ۔ نجم الغنی : تاریخ اودھ جلد ۱/۸۳

لکھا اور کہا کہ نجات صوری تو ہو گئی لیکن نجات معنوی ابھی باقی ہے - یعنی جب تک ذریعۂ معاش پیدا نہ ہو زیست محال ہے - اس پر نواب صاحب نے دوسرا خط صدرالصدور موصوف کے نام لکھا تو نصف جائیداد بھی وا گذاشت ہوگئی[1] -"

مؤلف تلامذہ نے یہ واقعہ "شمع انجمن" کے حوالے سے لکھا ہے[2] - لیکن اس معاملے میں ایک بات وضاحت طلب رہ گئی - نواب صدیق حسن خاں نے خود اپنا حال متعدد جگہ لکھا ہے[3] - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۹ جمادی الاول ۱۲۴۸ھ کو پیدا ہوئے تھے- پانچ سال کی عمر میں یتیم ہوگئے ماں نے پرورش کی اور :

"چوں زمان شعور آمد درخانہ ہیچ شے از اسباب دنیا جز کتاب خانہ متروکہ والد مرحوم ندید[4]"

طلب علم میں گھر سے نکلے کانپور، فرخ آباد ہوتے ہوئے، ۱۲۶۹ھ میں دہلی آئے اور شیفتہ کے گھر قیام کیا - ایک سال ۸ ماہ دہلی میں رہے اور مفتی صدالدین خاں آزردہ کے درس میں شریک ہوئے - ۱۲۷۰ھ میں بھوپال گئے - وہاں ماموں مفتی محمد حسین کے گھر قیام کیا اور انہیں کے وسیلے سے

---

۱ - تلامذہ/۸۱ -

۲ - شمع انجمن/۱۳۴ -

۳ - مثلاً ملاحظہ ہوں : (۱) حطر بذکر الصحاح الستہ (۲) ابجد العلوم جلد ۳/۹۳۹ (۳) اتحاف النبلاء المتقین باحیاء حاش لفقہاء المحدثین/۲۶۳ تا ۲۷۱ (۴) الفوع النامی وغیرہ

۴ - اتحاف النبلاء ۲۶۳ -

ملازم ہوئے۔ نائب اول ریاست مدارالمہام محمد جمال الدین خاں بہادر کی بیوہ دختر سے عقد کیا۔ (۵ شعبان ۱۲۷۷ھ) - ازاں بعد ۱۲۸۷ھ میں نواب شاہ جہاں بیگم والیۂ بھوپال سے ۸ شوال کو عقد ہوا - یہاں سے اُن کے عروج اور رسوخ کا زمانہ شروع ہوتا ہے -

۲۱ ربیع الثانی ۱۲۸۸ھ کو دربار عام میں عہدۂ نیابت دوم ریاست کا خلعت، قیمتی بیس ہزار روپیہ، زیور مروارید و اقمشہ پوشیدنی و قلمدان نقرہ و آفتابی و پالکی و سپر و شمشیر و کمر بند و فیل وغیرہ مع خریطۂ عہدہ - خود بیگم بھوپال نے عطا فرمایا، پہلے "میر دبیر ریاست" تھے - اب خطاب "معتمدالدولہ سید محمد صدیق حسن خاں بہادر نائب دوم ملک محروسہ ریاست بھوپال،، ہوا - پھر پچاس ہزار سالانہ کی جاگیر اور ضرب توپ اور خطاب "نواب والا جاہ امیر لملک" عطا ہوا -

شیفتہ کا جو خط "شمع انجمن،، میں نقل ہوا ہے- وہ یکم شعبان ۱۲۷۶ھ کا مکتوبہ ہے - اس سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ نواب صدیق حسن خاں نے اُن کی رہائی کے لیے کوشش کی تھی- لیکن یہ اُن کے ذاتی اثر و رسوخ سے نہ تھی بلکہ بعض حکام انگریزی کے واسطے و وسیلے سے تھی - ورنہ اس زمانے میں اُن کی حیثیت ایک معمولی سرشتہ دار سے زیادہ نہیں تھی - اُن کا عروج تو شیفتہ کی وفات کے بھی دو سال بعد ہوا ہے -

۱۱ - سید فرزند احمد صفیر بلگرامی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ ''مئی ۱۸۶۵ع میں اپنے ماموں جناب شاہ عالم شائق کے ساتھ دہلی پہنچ کر غالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

بہت دن تک اُن کے پاس رہ کر استفادہ کیا ۔ غالب کی وفات کے بعد، چندے غلام حسنین قدر بلگرامی سے بھی مشورہ کرتے رہے[1]"۔

صفیر نے قدر سے مشورہ کیا ہو، اس پر بھی مشکل سے یقین کیا جا سکتا ہے ۔ اس پر بھی وہی شبہ وارد ہوتا ہے جو عاشق کے، فرحتی سے اصلاح لینے پر مؤلف تلامذہ نے وارد کیا ہے[2] ۔ قدر ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۳ع) میں پیدا ہوئے[3] اور صفیر ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۴ع) میں[4] یعنی دونوں تقریباً ہم عمر تھے اور ہم طرح بھی ۔ صفیر نے امان علی سحر اور میرزا دبیر سے بھی مشورہ کیا تھا ۔ قدر نے بھی فتح الدولہ برق اور سحر سے عروض وغیرہ کی تحصیل کی تھی ۔ امداد علی بحر سے بھی شاید مشورۂ سخن کیا ہو ۔ بعد میں دونوں نے غالب کا تلمذ اختیار کیا ۔ غرض قدر اور صفیر ہم عمر ہونے کے ساتھ ہم طرح اور ہم پلہ تھے ۔ اور مجھے یاد آتا ہے کہ ایک بار دونوں نے ایک ہی زمین میں منقبت لکھ کر فیصلے کے لیے غالب کے پاس بھیجی تھی جس پر انہوں نے گول مول سی رائے ظاہر کر دی تھی ۔ (غالب کے اُس خط کا حوالہ سردست مجھے نہیں ملا ۔)

۱۲ ۔ سید قطب الدین دلاور علی طرزی ہاپوڑی کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ :

"مولانا مملوک علی کے درس حدیث میں یہ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم ہم سبق تھے ۔

---

۱ ۔ تلامذہ/۱۹۴ ۲ ۔ تلامذہ/۲۲۵
۳ ۔ تلامذہ/۲۴۸ ۴ ۔ تلامذہ/۱۹۴

مولانا تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ دلاور علی اور
تو سب کام کر لیتے تھے لیکن روٹی پکانے سے ہمیشہ
کتراتے تھے - اور یہ کام میرے سپرد تھا[1]"۔

مولانا مملوک علی کا انتقال ۱۲۶۷ھ میں ہوا[2] - آثار الصنادید کی تالیف کے وقت وہ چودہ پندرہ برس سے دہلی میں درس دیتے تھے[3] - اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی ولادت ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ (چار شنبہ) کو ہوئی[4] - "کرم عظیم" مادۂ تاریخ ولادت ہے - ابتدائی درسیات کی تعلیم کے بعد ۱۲۹۵ھ میں مدرسہ دیوبند میں داخل ہوئے - اور ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہوئے[5] - غرض یہ محالات میں سے ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی ، طرزی کے ہم درس رہے ہوں - یہاں شاید مؤلف کا سہو قلم ہو - نام ، مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) کا ہو سکتا ہے -

۱۳ - (الف) ترجمہ احمد حسن کے عرشی قنوجی میں ، آن کے والد مولانا سید اولاد حسن کے نام کے بعد قوسین میں (۱۸۰۵—۱۸۳۸ع) لکھا ہے - ظاہراً اس کا مطلب یہی ہے کہ مؤلف کے نزدیک آن کا سال ولادت ۱۸۰۵ع اور سال وفات ۱۸۳۸ع ہے - مولانا اولاد حسن ۱۲۱۰ھ میں پیدا ہوئے تھے[6]

---

۱ - تلامذہ/۲۰۳

۲ - عبدالحئی - نزھۃالخو اطرو بہجتہ المسامع والنواظر المجد السابع/۴۸۷ (۱۹۵۹ع)

۳ - سر سید : آثار الصنادید (طبع اول)

۴ - عزیز الحسن : اشرف السوانح/۱۶ (۱۳۵۴ھ)

۵ - ایضاً/۲۴-۲۵

۶ - اتحاف النبلا/۲۳۵

اور ۱۲۵۳ع میں اُن کا انتقال ہوا۔ عمر ۴۳ برس کی پائی کہ اس حساب سے پیدایش کا عیسوی سال سنہ ہونا چاہیے ۔ نہ کہ ۱۸۰۵ع ۔

(ب) احمد حسن عرشی قنوجی کی تحصیل علمی کے حال میں لکھا ہے کہ: "علوم کتاب و سنت کی سند شیخ صالح عبدالغنی ، اور سید فاروقی مجددی ، اور مولانا سید عبدالغنی مدنی سے لی[1]" ۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے تین اساتذہ سے سند حدیث لی ۔ حالانکہ یہ ایک ہی نام ہے "شیخ صالح" کسی کا نام یا نام کا حصہ نہیں ، بلکہ تعظیمی الفاظ کے طور پر لکھا گیا ہے ، اور "سید فاروقی مجددی" کسی مختلف فرد کا نام نہیں ۔ ایک ہی شخص کی نسبت ہے۔ صدیق حسن خاں کا بیان ہے :

"کتب حدیث از شیخ صالح عبدالغنی ابو سعید الفاروقی المجددی نزیل مدینہ منورہ فراگرفت . . . . وایں اجازت درسنہ احدی دسبعین وماتین و الف (۱۲۷۱ھ) حاصل نمود . . . .[2]"

نواب صدیق حسن خاں نے اجازت نامے کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں ۔ یہ شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی ہیں ۔ جو حضرت شاہ ابو سعید (خلیفہ شاہ غلام علی نقشبندی) کے فرزند تھے ۔ نسباً فاروقی اور مشرباً مجددی تھے ۔ مقامات مظہری کا ضمیمہ انہیں کا لکھا ہوا ہے ۔ سرسید احمد خاں نے آثارالصنادید میں

---

۱ - تلامذہ/۲۳۱ - ۲ - اتحاف النبلا/۲۲۲-۲۲۳ -

دونوں بزرگوں کا احوال لکھا ہے[۱] - اور خود جناب مالک رام نے اس کتاب میں ان کا ترجمہ حاشیے پر درج کیا ہے[۲] -

(ج) عرشی کے سفر حج کی نیت سے جانے اور بڑودہ میں قیام کرنے کا بھی تذکرہ ہے ، اور جناب مالک رام نے لکھا ہے کہ "بڑودہ پہنچ کر ایک ہم نام دوست ، حکیم سید احمد حسن فنا (شاگرد غالب) کے مکان پر اترے - (تذکرہ علمائے ہند" میں لکھا ہے کہ مولانا غلام حسین قنوجی کے مکان پر ٹھیرے تھے)[۳] -"

مؤلف نے جو عبارت قوسین میں لکھی ہے - وہ شاید انہیں ضعیف روایت معلوم ہوتی ہے - لیکن خود نواب صدیق خاں نے بھی یہی لکھا ہے کہ عرشی بڑودہ میں غلام حسنین کے مکان پر فروکش ہوئے تھے - ان کے گھر ہی عرشی کا انتقال ہوا - اس لیے رحمان علی ، مؤلف تذکرہ علمائے ہند کی روایت قابل ترجیح ہے -

ضمناً دو باتیں اور عرض کر دوں : "تلامذہ" میں "غلام حسین" نام لکھا گیا ہے - لیکن صحیح نام غلام حسنین ہے[۴]- نیز یہ لکھا ہے کہ "بڑودہ میں تکیہ ماتریہ میں مدفون ہیں[۵] -" ممکن ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہو "ماتریدیہ" ہونا چاہیے - یہ صوفیاء کے ایک سلسلے کا نام ہے -

۱۴ - منشی محمد حسنین محمود دہلوی کی ایک مثنوی "تحفۂ محمود" کا تذکرہ مؤلف نے کیا ہے اور اسی کے خاتمے

---

۱ - آثار الصنادید/۲۶ (طبع اول) -

۲ - تلامذہ/۱۷۹-۱۸۰ (حاشیہ) - ۳ - تلامذہ/۲۳۱ -

۴ - ابجد العلوم جلد ۳/۹۳۳ - ۵ - تلامذہ/۲۳۱ -

کی عبارت سے مختصر حال اخذ کر کے لکھا ہے[1] - ان کی ایک غزل اکمل الاخبار ، دہلی (اگست ۱۸۶۹ء) میں شائع ہوئی تھی وہ نقل کر دی ہے - محمود کی ایک اور تصنیف مختصر رسالہ "قول فیصل" بھی ہے - یہ ۱۸۸۰ء کا مطبوعہ ہے - اس کے سرورق کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے - کہ اس میں نئی اور پرانی شاعری کا محاکمہ ہے - اس میں حالی اور غالب وغیرہ اساتذہ کی غزلوں کے علاوہ محمود کی اپنی غزلیں بھی شامل ہیں - یہ رسالہ بہت دن ہوئے امروہہ میں ایک صاحب کے پاس میں نے دیکھا تھا - اس وقت وہ آسانی سے دستیاب نہیں ہو سکتا -

۱۵ - احمد حسین مرزا پوری کا حال دو تخلصوں (تمنا اور مینا) کے ذیل میں لکھا ہے اور یہ صراحت بھی کر دی ہے کہ غالباً مینا اور تمنا میں تصحیف ہو گئی ہے[2] - اگر یہ صحیح تھا تو دو جگہ تذکرہ کرنے کی ضرورت نہ تھی -

۱۶ - نواب یوسف علی خاں ناظم (رامپور) کو لکھا ہے کہ آپ "نسباً حسینی سید تھے -" اگرچہ حاشیے میں اختلاف کی صراحت کر دی گئی ہے - لیکن سیادت کی روایت کوظاہرا ترجیح دی ہے - میرے خیال میں یہ صحیح نہیں - قدیم تاریخیں اور تذکرہ نگار علی محمد خاں کو "افغان" یا "روہیلہ" ہی بتاتے ہیں - نجم الغنی رامپوری نے اُن کو سید ثابت کرنے کے لیے بڑی طومار بندی کی ہے - لیکن اُن کے دلائل حد درجہ بودے ہیں -

---

۱ - تلامذہ/۲۵۶ -

۲ - تلامذہ/۶۶ اور ۲۶۹ -

۱۷ - بعض شعرا کے تراجم تو تلامذہ میں شامل ہیں - لیکن یا تو اُن کے تلمذ کا ثبوت نہیں دیا گیا یا وہ میری نظر میں مشکوک ہیں - جب تک اُن کے متعلق تلمذ کی سند دستیاب نہ ہو - مثلاً :

۱ - فرزند علی اخگر عظیم آبادی (ص ۲۹)
۲ - عین الحق بے صبر کاکوروی (ص ۵۷)
۳ - غلام محمد تپش دہلوی (ص ۵۹)
۴ - شاہزادہ بشیر الدین توفیق (ص ۶۸)
۵ - جمشید علی خاں جم (ص ۷۴)
۶ - حکیم معشوق علی خاں جوہر (ص ۸۰)
۷ - خلیفہ حسام الدین حسام (ص ۹۳)
۸ - محمد ابراہیم خلیل وفوق (ص ۱۰۱)
۹ - دبی پرشاد سرور (ص ۱۵۰)
۱۰ - انور علی شاہ (ص ۱۶۶)
۱۱ - سید محمد بشیر خاں شیر (ص ۱۷۶)
۱۲ - حکیم محمد علی صوفی (ص ۱۹۸)
۱۳ - سردار محمد خاں طالب (ص ۱۹۹)
۱۴ - مرزا سرفراز حسین طرار (ص ۲۰۲)
۱۵ - پیارے لال ظہیر (ص ۲۱۸)
۱۶ - شنکر دیال عاشق (ص ۲۲۳)
۱۷ - عاشق حسین عاشق (ص ۲۲۶)
۱۸ - سید محمد سلطان عاقل (ص ۲۲۶)
۱۹ - سید بدرالدین احمد کاشف (ص ۲۵۰)
۲۰ - مصلح الدین منصور (ص ۲۶۵)
۲۱ - احمد حسین مینا (ص ۲۶۸)

۲۲ - وحید الدین وحید دہلوی (ص ۲۶۴)
۲۳ - شکور احمد وکیل (ص ۲۹۹)

مندرجہ بالا شعرا میں بہت سے وہ ہیں جن کے تلمذ کی روایت ضعیف ہے، یا اس کی تصدیق کا قدیم تر ذریعہ موجود نہیں - انہوں نے بالفرض اگر غالب سے اصلاح لی بھی ہو تو ایک دو غزلوں سے زیادہ دکھانے کا موقع نہ ملا ہوگا -

۱۸ - مقدمہ میں مؤلف تلامذہ نے اعتراف کیا ہے کہ "ایسے بھی شاعر تھے کہ اُن کا صرف تخلص ہی معلوم ہو سکا نام اور کلام تک رسائی نہ ہوئی مثلاً آزردہ وغیرہ - میں نے دانستہ سلسلہ میں اُن کا ذکر نہیں کیا کیونکہ محض فہرست کو لمبا کرنا مقصود نہیں تھا - بعض اصحاب ایسے تھے کہ اُن کا نام اور تخلص دونوں معلوم ہو گئے اگرچہ نہ مفصل حالات ملے نہ زیادہ کلام ہی ہاتھ لگا مثلاً حسام، درد، ذکی، رابط، سالم وغیرہ - انہیں البتہ میں نے سلسلہ میں درج کر لیا ہے[۱] -"

اگر ان شعرا کو اتنی کمزور شہادتوں کے ہوتے بھی زمرۂ تلامذہ میں شامل کر لیا گیا تو الگزنڈر ہڈرلی آزاد کا ترجمہ کیوں شامل تذکرہ نہیں - جس کے تلمذ کا نسبتاً قوی ثبوت موجود ہے -

الگزنڈر ہڈرلی آزاد، ایک فرانسیسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور بقول رام بابو سکسینہ "ہند برطانوی" نسل کے شاعر تھے - غالباً ۱۸۲۹ع میں اُن کی ولادت ہوئی اور اٹھارہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا، پہلے اپنا کلام

---

۱ - تلامذہ/۷-۸

زین العابدین خاں عارف کے پاس اصلاح کے لیے بھیجتے تھے بعد میں مرزا غالب سے مشورہ کیا - آردوے معلی کے ایک خط میں غالب نے آن کا تذکرہ بھی کیا ہے[۱] -

ان کا حال رام بابو سکسینہ نے تفصیل سے لکھا ہے[۲] - مولانا عبدالماجد دریا بادی ، رسالہ معارف میں آزاد پر ایک مقالہ "غالب کا ایک فرنگی شاگرد" لکھ چکے ہیں[۳] - نظر ثانی کے بعد یہ آن کے مجموعہ مضامین میں بھی شامل ہے[۴] - آزاد کے بڑے بھائی تھامس بڈرلی بھی شاعر تھے - انہوں نے ۱۸۶۳ء میں مطبع احمدی آگرہ سے آزاد کا دیوان طبع کرایا تھا - اس کا دیباچہ منشی شوکت علی ساکن شاہ پور ضلع فتح پور نے لکھا ہے :

"الگزنڈر بڈرلی . . . با محتشم الدولہ امیرالملک محمد اسد اللہ خاں بہادر سہراب جنگ غالب متخاص و نواب زین العابدین خاں متخاص بہ عارف . . . . بذریعہ مراسلات و مکاتبات استمداد سخن داشتے[۵]"

غالب سے ، الگزنڈر بڈرلی کا متعارف ہوا تو اردوے معلی کے ایک خط سے ثابت ہے اور اس کا امکان ہے کہ

---

۱ - غالب : اردوے معلی/۱۳۹ (مبارک علی : لاہور ایڈیشن)

2. Saksena : *European & Indo European Poets of Urdu and Persian*, p - 71.

۳ - معارف : اعظم گڈھ جنوری ۱۹۲۲ء

۴ - مقالات ماجد/۹

۵ - ماسبق/۱۰ غالب کا خطاب اس میں سرتاپا غلط لکھا ہے انہیں بہادرشاہ ظفر نے ۴ جولائی ۱۸۵۰ء کو "نجم الدولہ ، دبیرالملک نظام جنگ" کا خطاب دیا تھا (دیکھو ذکر غالب/۹۰)

زین العابدین خاں عارف کی وفات کے بعد انہوں نے غالب سے مشورہ سخن کیا ہو۔ اگر یہ بات بے بنیاد ہوتی تو منشی شوکت علی دیباچہ دیوان میں انہیں غالب کا شاگرد نہ لکھتے جو خود آزاد کے بھائی تھامس بڈرلی کی نگرانی میں چھپا تھا۔

۱۹ - تلامذہ غالب میں ، قاضی عنایت حسین بدایونی کا ترجمہ 'اشکی' تخلص کے ذیل میں لکھا گیا ہے[1] - شعراے بدایوں کے ایک ناقص تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے اشکی تخلص کرتے تھے - بعد میں فراق اختیار کیا - تذکرے کی عبارت یہ ہے :

"فراق - حاجی حافظ عنایت حسین ، رئیس بدایوں - پہلے تخلص اشکی کرتے تھے، اب فراق - انہوں نے نظم نویسی و نثر نگاری میں عمدہ لیاقت پیدا کی - علم کی تحصیل اچھی کی- یہ صاحب طراری طبیعت و تیزی ذہن و مضمون آفرینی میں بے مثال اور جملہ فنون شاعری میں باکمال ہیں- پہلے مرزا غالب دہلوی کے شاگرد ہوئے تھے- اب حضرت مذاق مدظلہم العالی سے مشورت سخن رکھتے ہیں - چونکہ ہر قسم کی لیاقت عمدہ تھی - امتحان دے کر وکالت میں درجۂ اعلیٰ کی سندپائی - چندمدت تک عدالت دیوانی میں وکالت کرتے رہے - تھوڑے عرصے سے اس کو ترک کیا اب نواب ٹونک مقیم بنارس کے داروغہ کارخانہ جات ہیں[2] -"

---

۱ - تلامذہ/ ۱۲۰

۲ - تذکرہ شعراے بدایوں (مطبوعہ و ناقص)/ ۳۲-۳۳

یہ ایک مختصر سا مطبوعہ رسالہ ہے جس میں صرف بدایوں کے شعراء کا مختصر حال اور انتخاب کلام ہے - ان میں تقریباً سب ہی شاہ دلدار علی مذاق (شاگرد ذوق) کے تلامذہ ہیں - چونکہ "اول و آخر ایں کہنہ کتاب افتاداست -" اس لیے مصنف ، عنوان کتاب ، اور سال تألیف و طباعت کے بارے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا - داخلی قرائن سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۹۶ھ کے بعد کسی سال میں یہ لکھا گیا ہے -

مندرجہ بالا بیان ، اور ترجمہ مندرجہ "تلامذۂ غالب" میں کچھ جزوی اختلافات ہیں - ان کی تفصیل یہاں غیرضروری ہے - ایک بات یہاں ضمناً اور عرض کرنا چاہتا ہوں - قاضی عنایت حسین ہی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ : "جب موسیٰ ندی میں طغیانی آئی (۱۹۰۸ع) اور ان کا گھر بار نذر سیلاب ہوا تو اسی میں کلام بھی ضائع ہو گیا[1] -"

یہ مشہور طغیانی ۱۹۰۸ع میں نہیں غالباً ۱۹۰۴ع یا ۱۹۰۵ع میں آئی تھی - اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس طوفان میں جو اسباب تاراج ہوا ، اسی میں گلشن ہند ، مرزا علی لطف کا ایک قلمی نسخہ ، جناب غلام محمد مددگار کیبنیٹ کونسل دولت آصفیہ کو ملا تھا ، جسے مولانا شبلی نعمانی نے ایڈٹ کرکے مقدمہ لکھا ہے اور وہ پہلی بار ۱۹۰۶ع شائع ہوا تھا[2] -

۲۰ - تلامذہ میں متعدد اشعار اس طرح نقل ہوئے ہیں جو وزن میں نہیں ہیں - ان میں کہیں سہو کاتب ہے اور کہیں

---

۱ - تلامذہ/۱۲۰ -

۲ - ملاحظہ ہو دیباچہ گلشن ہند -

خود مؤلف سے تسامح ہوا ہے - بہرحال اُن کی تصحیح ضروری ہے - ایسے اشعار کی ایک نامکمل فہرست پیش کرتا ہوں - صرف وہی مصرع لکھا گیا ہے جو ساقط الوزن ہے - اُس کے سامنے قوسین میں صفحہ کا حوالہ ہے :

انور : تم نہ ورنہ آفت صد کرواں ہو آج
(۴۲) (صحیح : آفت رہ صد کارواں)

بیتاب : ساقی اگر نہیں ، نہ ہو، مے سے کام ہے
(۵۲) (صحیح : ساقی اگر نہیں ہے الخ)

بیدل : قطرہ میں ، بحر کا تماشا
(۵۴) (صحیح : قطرے میں ہے الخ)

بے صبر : یار جب مجھ کو یاد آتا ہے
گریہ بے اختیار آتا ہے

(۵٦) (یہ مطلع ہے ، لہذا پہلا مصرع یوں ہونا چاہیے :
یاد جب مجھ کو یار آتا ہے)

جوہر : روزے کہ دیدمت ، شدم مبتلاے تو
(۸۲) (صحیح : . . . . شدہ ام الخ)

حزیں : سب ناز سہے میں نے بے جا اور بجا اُن کے
(۹۳) (صحیح بے جا و بجا)

سیاح : مسند فقراء پر زاہد نہ کرے کیوں کر تکیہ
(۱۰۷) (صحیح : مسند فقر پہ الخ)

شیفتہ : کچھ انتظار مجھ کو نہیں ' مے کا نہ ساز کا
(۱۸٦) (صحیح : . . . . مجھ کو نہ مے کا ، نہ الخ)

شیفتہ : دل ہوا رنج سے خالی ، تو جی بھر آیا
(۱۸٦) (صحیح . . . . خالی بھی ، الخ)

شیفتہ :   آں جا کہ خندہ آید برپادشاہ گدارا
(۱۸۹) (صحیح : . . . . برپادشہ الخ)

صوفی :   خوش ہوں جنوں سے میں ، کہ کرتے ہیں التفات
(۱۹۸) (صحیح : . . . . کہ وہ کرتے ہیں التفات)

صوفی :   یک ملک دو حکمراں نگنجد
(۱۹۸) (صحیح : یک ملک و دو حکمراں نگنجد)

صوفی :   بار غم کیوں کر نہوئے سراحباب کو داب
(۱۹۸) (صحیح : کیوں کہ)

طالب :   مگر چل گیا وار تیر نگہ کا
(۲۰۰) (صحیح : تیر نگہ)

درقطعۂ تاریخ :   رفتہ بخلد ، طرزی شیریں بیاں
(۲۰۳) (صحیح : بخلد بریں)

تاریخ ازصہبائی :   آمد بلب خود "چراغ دہلی"
(۲۰۹) (صحیح : بہ لب خرد)

عارف :   رہن ہو جائے نہ جبہ و دستار کہیں
(۲۲۲) (صحیح : نہ یہ)

عزیز :   بیا ، کہ پیری جواں بگر دانیم
(۲۳۵) (غالباً : بیا کہ عشق بہ پیری الخ)

تاریخ ناز طالب :   راز فوتش خودز "اغفرلی" برآر
(۲۵۳) (صحیح : سال فوتش)

مفتون :   مثل چشم اغنیا تنگ است پرہن مرا
(۲۶۳) (صحیح : پیراہن)

مفتون :   چہ خوشا ! کہ قاتل من
(۲۶۳) (خوشا کے بعد ایک لفظ کم ہے مثلاً زندگی)

ناظم : میں نے کہا کہ دعوے الفت مگر غلط

(۲۷۷) (صحیح : دعوی الفت)

ناظم : تجھ سے کچھ شکوہ ، اے فلک پیر نہیں

(۲۷۸) (صحیح : مجھے اے فلک پیر)

ناظم : یہ روز میہ ہے شب دیجور نہیں

(۲۷۸) (صحیح : شب دیجور نہیں ہے)

نشاط : چارہ ساز بے پروا ، درد لا دوا اپنا

(۲۸۱) (صحیح : بلا اضافت)

نشاط : نشاط ، دل سے پہنچے تادر کعبہ ، ولے واں بھی

(۲۸۱) (صحیح : نشاط ہم الخ)

نیر : دیدۂ صاحب نظراں از نظر افتاد

(۲۹۱) (صحیح : در دیدۂ الخ)

نیر : چلے آؤ شب تاب میں ، کیسی شب ماہ

(۲۹۲) (مثلاً : شب مہ تاب)

وفا : آہوں نے میرے یہ دل خراشی کی ہے

(۲۹۹) (صحیح : مری)

وفا : کیا ناز کرے اس پر کہ جب آخر کار

(۲۹۹) (صحیح : اس پہ)

وکیل : ملے یوں لطف سے کشوں کو پیر سے خانہ

(۲۹۹) (ایک لفظ ''لطف'' کے بعد اور چاہیے)

۲۱ - بعض شعراء کا صرف نام یا تخلص لکھا ہے - مگر اُن کے مأخذ کا اندراج نہیں کیا - مثلاً -

منشی ہیرا سنگھ درد (ص ۱۰۶) - منشی دیبی پرشاد سرور (ص ۱۵۰) حکیم محمد علی صوفی نجیب آبادی (ص ۱۹۸) سید بدرالدین احمد عرف فقیر صاحب دہلوی کاشف (ص ۲۵۰)

۲۲ - نمبر ۳ کے تحت سطور بالا میں ، بالمکند بے صبر کی تصانیف کا تذکرہ آچکا ہے - بے صبر کے سلسلے میں چند باتیں یہاں درج کرنا ضروری ہیں - مؤلف تلامذہ نے لکھا ہے کہ بے صبر اور تفتہ دونوں سکندر آباد کے رہنے والے تھے اور "غالباً آن سے کچھ عزیز داری بھی تھی[۱]-"

(الف) بے صبر کے پسر خورد سری برہما سروپ نے اگست ۱۸۸۶ع (۱۳۰۳ھ) میں ایک مضمون "سوانح عمری بے صبر" کے عنوان سے شائع کرایا تھا - اس کی بنیاد پر قاضی معراج دھولپوری بھی بے صبر پر ایک مفصل مضمون لکھ چکے ہیں[۲] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ بے صبر کے ماموں ہوتے تھے

(ب) جناب مالک رام نے لکھا ہے کہ "ستر برس کی عمر تھی جب ۱۸۹۰ع میں انتقال کیا[۳] - اس حساب سے ان کا سال پیدایش ۱۸۲۰ع تسلیم کرنا پڑتا ہے - لیکن صحیح سال ولادت ۱۸۱۰ع (۱۲۲۵ھ) ہے اور انتقال ۱۳ فروری ۱۸۸۶ع (مطابق ۱۳۰۳ھ) کو میرٹھ میں ہوا - اس طرح ان کی عمر ۷۶ سال کی ہوئی[۴] -

(ج) مالک رام صاحب کا بیان ہے کہ "..... اخگر عشق ..... ۱۲۷۳ھ میں لکھی گئی تھی - "لالہ پر داغ" تاریخ ہے[۵] - "لالہ پر داغ" سے ۱۲۷۳ھ ہی برآمد ہوتے ہیں- لیکن مثنوی کا سال تصنیف ۱۲۷۵ھ ہے - اس تاریخ میں دو

---

۱ - تلامذہ/۵۵

۲ - اردو ادب (علی گڈھ) جلد ۶ شمارہ ۳

۳ - تلامذہ/۵۵

۴ - اردو ادب جلد ۶ شمارہ ۳

۵ - تلامذہ/۵۵

عدد کا تعمیہ کیا گیا تھا - مادہ تاریخ یوں ہے :

جس کا سن ''لالۂ پر داغ'' ملا پروہ لالہ بہ سرباغ ملا

۱۲۷۳ + ۲ = ۱۲۷۵ھ

۱۲۷۳ھ میں سر باغ (یعنی ب) کے دو عدد شامل ہوں تب صحیح سال تصنیف ہاتھ آتا ہے[1] -

''مثنوی لخت جگر'' کا تذکرہ تلامذہ میں ہے لیکن سال تألیف نہیں بتایا - یہ ۱۲۸۳ھ میں تصنیف ہوئی تھی -

(د) بے صبر کی تصانیف کی مجموعی تعداد دو درجن کے لگ بھگ ہو تو عجب نہیں - مناسب ہوگا کہ آیندہ ایڈیشن میں فاضل مرتب ان کی ایک فہرست بھی شامل کر دیں[2]-

مجھے اس تبصرے کے مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں - مجھ سے پہلے جناب تمکین کاظمی، اپنے تبصرے میں بعض تسامحات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں[3] - میں نے ان کا اعادہ کرنا غیر ضروری سمجھا ہے -

---

۱ - ملاحظہ ہو اردو ادب ' جلد ۶ ش ۳ - نیز ہماری زبان علی گڈھ یکم جولائی ۱۹۵۷ع و ۱۵ اگست ۱۹۵۷ع

۲ - اس سلسلے میں ہری کشن راز کا مضمون ''منشی بالمکند بے صبر،، مطبوعہ ماہ نامہ نیا دور - لکھنؤ جلد ۱۴ شمارہ (ستمبر ۱۹۵۹ع) بھی قابل قدر ہے -

۳ - تحریک : دھلی جلد ۹ شمارہ ۱۲ (اپریل)

اردوے معلی : غالب نمبر

(ایک "علمی و تحقیقی" رسالے کا جائزہ)

اردو کے شاعروں میں مرزا غالب کی شخصیت آج بھی اپنے اندر موہنی رکھتی ہے - بیسویں صدی کے اوائل سے اب تک مرزا کی زندگی شخصیت اور شاعری سے متعلق ایک ہزار سے زیادہ مضامین ، مقالے اور تبصرے لکھے گیے ہیں[1] لکھنے والوں نے اسے ایک "عظیم انسان" اور "فلسفی" سے لیکر جھوٹا اور مکار تک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے[2] اور تماشا یہ ہے کہ "غالب کے طرفدار" ہوں یا "غالب شکن" اس کے نام کی برکت سے انھیں کچھ نہ کچھ حصہ مل ہی جاتا ہے -

ہر سال ماہ فروری میں غالب کی یاد منائی جاتی ہے - رسالہ آجکل (دہلی) اور ماہ نو (کراچی) تو بالالتزام کچھ نہ کچھ ہر سال غالب سے متعلق شایع کرتے ہی ہیں ، دوسرے رسالے بھی اپنی والی کوشش کرکے کوئی نہ کوئی پہلو سخن گستری کا نکال ہی لیتے ہیں - اس سال دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو نے ایک شش ماہی رسالہ "اردوے معلی" کے نام سے جاری کیا ہے یہ بڑا مبارک اور مستحسن کام ہے - دہلی اردو کا مرکز اور ہندوستان کی راجدہانی ہے - یہاں سے کسی ادبی

---

۱ - ملاحظہ ہو "غالب نما" مرتبہ نثار احمد فاروق ، رسالہ برہان ، فروری—اپریل ۱۹۶۰ع ، تحریک مارچ ۱۹۶۰ع

۲ - عبدالمالک آروی : غالب کی اخلاقی کمزوریاں - نگار مارچ ۱۹۲۹ع نیز "غالب بہ حیثیت محقق" مشمولہ "نقد غالب"

رسالے کا اجراء ظاہر ہے کس خوشی اور اطمینان کا موجب ہوگا۔ اردوئے معلی کا پہلا شمارہ (فروری ۱۹۶۰ء) غالب سے متعلق مضامین و مقالات کے لیے مختص کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک سو ساٹھ صفحے کی اچھی خاصی کتاب ہے۔ ظاہری حسن دلکش اور نظر فریب ہے۔ رسالے کے ایڈیٹر، شعبۂ اردو کے صدر، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ہیں جو "میر تقی میر" لکھ کر اچھی خاصی شہرت کما چکے ہیں۔ پہلے شمارہ میں مضامین قاضی عبدالودود امتیاز علی عرشی، ڈاکٹر اشرف، مولانا نیاز فتح پوری خلیق انجم، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، اور ڈاکٹر گیان چند جین جیسے معتبر اور سنجیدہ لکھنے والوں کے شامل ہیں۔ مولانا امتیاز علی عرشی کا مضمون اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس سے غالب کی بعض نئی فارسی تحریریں پہلی بار سامنے آتی ہیں اور غالب شناسوں کے لیے نیا مسالا فراہم کرتی ہیں یوں کہ نوابان لوہارو کا کتب خانہ اب رامپور کی رضالائبریری میں محفوظ کرا دیا گیا ہے۔ اس میں بعض قدیم مطبوعہ کتابیں ایسی بھی آئی ہیں جو مرزا غالب کے مطالعہ میں رہ چکی ہیں یعنی لالہ ٹیک چند بہار کا رسالہ "ابطال ضرورت" خان آرزو کا رسالہ اور وارستہ سیالکوٹی کی تالیف "مصطلحات الشعراء" دوران مطالعہ میں غالب کی "رگ تحقیق" پھڑکی ہے تو انہوں نے خواشی میں اپنے قلم سے نوٹ بھی لکھ دئے ہیں۔ ان میں سے بعض بہت دلچسپ ہیں۔ مولانا عرشی نے ان تحریروں کو بڑے سلیقے اور ضبط و نظم کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ 'غالبیات" کے سلسلے میں یقیناً نئی اور اہم دریافت ہے۔

قاضی عبدالودود صاحب نے غالب کے کلیات نظم فارسی کے ایک قدیم نسخے کا تعارف کرایا ہے۔ اور متداول کلیات

کے بعض اہم اختلافات کی نشان دہی کی ہے - جناب خلیق انجم نے "غالب کی قیامگاہوں" پر لکھا ہے - جس میں "مہد سے لحد تک" کی بہت سی منزلیں آگئی ہیں - بعض مکانوں کے فوٹو بھی دیے ہیں جن کی وجہ سے مضمون بہت دلچسپ ہو گیا ہے۔

ایڈیٹر کی طرف سے شذرات میں یہ کہا گیا ہے کہ اس شش ماہی رسالے کا مقصد "تحقیقی اور علمی ضرورتوں" کو پورا کرنا ہے[1] - چونکہ "تحقیقی اور علمی" کاموں کی ذمہ داریاں بہت نازک ہوتی ہیں اس لیے ہمیں یہ توقع تھی کہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں شایع ہونے والا یہ مجلہ کم از کم معمولی غلطیوں سے تو ضرور پاک ہوگا - لیکن یہ دیکھ کر مزید حیرت ہوئی - کہ صرف اسمیں املاو انشا کی غلطیاں ہیں بلکہ "علمی تحقیق" کے اعتبار سے بھی بہت کچھ محتاج اصلاح ہے چند ضروری امور کی طرف سطور ذیل میں توجہ دلائی گئی ہے -

۱ - "اردوے معلی" غالب کے مجموعہ مکاتیب کا نام ہے - پھر مولانا حسرت موہانی مرحوم اسی نام کا رسالہ علی گڑھ اور کانپور سے شائع کر چکے ہیں - اور رسالوں میں یہ نام گویا ان کے لیے مختص ہو کر رہ گیا ہے - اس کے بعد ۱۹۲۲ع کے لگ بھگ منشی قربان علی بسمل وغیرہ نے اسی نام کا ایک رسالہ دہلی سے جاری کیا تھا[2] - جو کتابی سائز پر شایع ہوتا تھا اور بہت دنوں زندہ رہ کر بند ہو گیا - شعبۂ اردو کو اب کوئی نیا نام تلاش کرنا تھا - تاکہ التباس پیدا نہ ہو -

---

۱ - رسالہ اردوے معلی دھلی ۵-۶

۲ - اس کے چند فائل کتب خانہ نذیریہ دھلی میں محفوظ ہیں اور راقم الحروف کی نظر سے گذرے ہیں -

۲ - زیر نظر شمارے کے سرورق پر جو تصویر دی گئی ہے وہ قطعاً جعلی اور غیر مستند ہے - غالب کی اصلی اور معتبر تصاویر دستیاب ہو جاتی ہیں - جن میں کچھ موقلم سے بنائی ہوئی ہیں اور ایک تصویر کمیرے کی ہے[1] - ''اردوے معلی'' میں جو تصویر شامل کی گئی ہے وہ ڈاکٹر ذاکر حسین کی فرمائش سے زمانہ حال کے کسی مصور نے تیار کی تھی اور پہلی بار دیوان غالب کے جرمنی ایڈیشن میں چھپی تھی - مستند تصاویر کی موجودگی میں اس ترجیح دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آسکی -

۳ - ایک رسالہ جو کسی یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے ''تحقیقی و علمی ضرورتوں'' کو پورا کرنے کے لیے نکلے کم از کم صحت املاء کے لحاظ سے نا معتبر نہیں ہونا چاہئیے - اس معاملے میں ''روش عام'' کی تقلید سندنہیں ہو سکتی- راقم الحروف کو یہاں ایک لطیفہ یاد آ گیا - کہ ایک بزرگ کسی شہر میں پہنچے اور وہاں ایک عالم کی بڑی شہرت سنی تو ملاقات کے مشتاق ہوکر اس سے ملنے کے لیے گیے - وہ بزرگوار اس وقت

---

۱ - ''دیوان غالب نسخہ عرشی'' میں یہ تصویر شامل ہے- قلمی تصاویر میں وہ مستند ہے جو کتب خانہ حبیب گنج میں محفوظ ہے - اور ڈاک خانے کے ٹکٹوں پر بھی چھپ چکی ہے - حبیب گنج والی تصویر ''ذکر غالب'' مصنفہ مالک رام میں بھی شامل ہے - نیز دیکھوں رسالہ زمانہ کانپور جلد ۶۷ شمارہ (جولائی ۱۹۳۶ع) اور احوال غالب ، مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو -

جناب خیر بھوروی نے حال ھی میں ''مرقع غالب'' کے نام سے تمام مستند اور غیر مستند تصاویر مع تعارف کے شائع کرادی ہیں -

کچھ لکھ رہے تھے ان کو دیکھ کر کاغذ قلم ایک طرف رکھ دیا اور کھڑے ہو کر استقبال کیا ، ابھی بیٹھ کر بات بھی کرنے نہ پائے تھے - کہ ملاقاتی کبیدہ خاطر ہو کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے "لاحول ولا قوۃ ! میں نے تو اس شہر میں آپ کا شہرہ سنا تھا - بڑے عالم و فاضل ہیں یہاں تو املا بھی صحیح نہیں "لائق" کو "ی" سے (لایق) لکھا جا رہا ہے -" یہ کہہ کر واپس آ گیے - انہوں نے تو ایک لفظ کا غلط املاء دیکھ کر اتنے تیور چڑہائے تھے اگر یہ "علمی و تحقیقی" مجلہ ملاحظہ فرما لیتے تو شاید دنیا ہی سے بیزار ہو جاتے - کیوں کہ اس کی پہلی ہی سطر میں "شائع" کو "شایع" "مبدأ" کو "مبدء" لکھا گیا ہے - اور علی ہذا :

"عالی جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب بالقابہ" (ص ۵) یہاں "ڈاکٹر" لکھنے کے بعد سارے القاب غیر ضروری ہیں - علاحدہ ، قایم ، (ص ۵) "وسایل اور ذرایع" (ص ۶) انشاءاللہ[۱] (ص ۷) "دبعے" (ص ۹) اور ہر جگہ اس طرح لکھا ہے کہ "ی" کے نقطے بھی موجود ہیں اور ہمزہ بھی - حالانکہ ہمزہ زائد ہے - ایک جگہ ۱۲۶۸ھ کو مطابق ۵۲-۱۹۵۱ع لکھا ہے (ص ۱۰) اگر ہجری سال صحیح ہے تو ۵۲-۱۸۵۱ع ہونا چاہیے - "فلک اضافت" (ص ۱۴) یہ نئی ترکیب ہے - قابل (ص ۱۶) "زرہ" (ص ۱۸) دو جگہ آیا ہے - اور "ذرہ" درکار ہے - مضایقہ (ص ۲۰) فرایض (ص ۴۷) مسایل (ص ۵۲)

---

۱ - صحیح املا "ان شاء اللہ" ہے کیوں کے "ان" حرف ہے "شاء" فعل - "ان" کو ملا کر لکھنے سے "انشاء" کے معنی بدل جائیں گے -

"انقلاب وارد ہو" (ص ٦٨) "فی زمانہ" (ص ٦٨) و فایق (ص ۲۷) سنے گیے (ص ۴۷) "کچھ دیواریں اور کھپریل" ص ۴۸) "کچی دیواریں" چاہیے - گماں یہ گزرتا تھا کہ کٹگھر ہے اور صبح کو پھانسی ملے گی" (ص ٨٦) اصل عبارت یوں ہے "گماں یہ گذرتا تھا کہ کٹگھر ہے اور صبح کو مجھے پھانسی ملے گی[1]" ضایع (ص ۱۰۸) طبایع ، ضایع ، بدایع ، لایق (ص ۱۱۲) ع "اس کے رخ سے صبح کا دھوکانہ کہا مرغ سحر" (ص ۱۱۳)ع "خاشی سے فایدہ اخفاے حال ہے (ص ۱۴٦) "محبت پیش گل" (ص ۱۴۸) در ہر دو جال (ص ۱۴۸) اپنے ملک کی رندی (ص ۱۵۰) عرایض ، سایل ، آ گئے (ص ۱۵۱) یہ خط و کتابت ۱۲۵۳ع سے ۱۲۵٦ع تک جاری رہی (ص ۱۴۳) زایل (ص ۱۵۷) حقایق (ص ۱۵۸) وغیرہ -

۴ - قاضی عبدالودود صاحب نے ایک جگہ غالب پر اعتراض کیا ہے - کہ وہ عربی سے اتنے نابلد تھے کہ ضمیر مذکر و مؤنث تک کی تمیز نہ تھی - چنانچہ انہوں نے ایک جگہ اپنی والدہ کو "مدظلہ ، العالی" اور دوسری جگہ ملکہ وکٹوریہ کے لیے "خلد اللہ ملکہ ، لکھا ہے[2]- غالب کے تتبع میں اس "غالب نمبر" نے بھی یہ غلطی کی ہے - شذرات کے بعد مدح کے کچھ اشعار دیئے ہیں جن کے عنوان میں "آنسہ اسماء سعیدی کو "متعلم" لکھا گیا ہے - (ص ۹)

۵ - اضافت کا عام قاعدہ ہے - اگر مضاف کے آخر میں حرف علت یا ہمزہ نہ ہو تو اسے کسرہ دیا جائے گا جیسے "نظر

---

۱ - اردوے معلی (خطوط غالب) ۲۹۸
۲ - نقد غالب ' مرتبہ مختار الدین احمد ۵۲۵

کرم" میں رآ پر زیر آ گیا لیکن حرف علت ہونے کی صورت میں علامت اضافت یعنی زیر کو "ی" سے ظاہر کیا جاتا ہے - جیسے علماء سے "علمائے کرام" خوسے خوئے بد" وغیرہ اس اصول پر اساتذہ بڑی سختی سے کر بند رہے ہیں اور غالب نے بھی اپنے ایک خط میں ایک شاگرد کو ایسی غلطی پر ٹوکا ہے - زیر نظر رسالے میں یا تو ہمزہ کا اتنا التزام ہے کہ "آئے ، جائے ، کہلائے" اور اسی قبیل کے دوسرے الفاظ جن پر ہمزہ درکار ہے وہاں سے بھی ندارد کر دیا ، یا "از روی فرمان ، دنیای اسلام ناخدای سخن" جیسی تراکیب میں بھی ہمزہ موجود ہے جہاں ہرگز نہیں ہونا چاہیے -

۶ - "ہندستان" اور ہندوستان کے املاء پر بحث بہت ہو چکی ہے بعض کے نزدیک دونوں صورتیں درست ہیں اور بقول بعض ایک ــــــ میں خود "ہندستان" (بغیر واؤ) کا حامی ہوں - مگر اس رسالے میں دونوں طرح دیا ہوا ہے - کسی ایک املاء کی پابندی مناسب تھی - خواہ دونوں طرح درست ہو -

اصول املاء کے لحاظ سے "گئے نئے" وغیرہ میں ہمزہ چاہیے - ی کے نقطے درکار نہیں ، مگر "لیے، پئے، جیے" وغیرہ میں ہمزہ بے کار ہے رسالے میں اکثر جگہ خلاف ورزی کی گئی ہے -

۷ - غالب کے سلسلے میں متفرق کتابوں اور اخباروں سے اہم اقتباسات دیئے گیے ہیں - مگر اس طرح :

"خواجہ احمد فاروقی بحوالہ روز نامچہ جیون لال ورق ۳۸ - الف و ب "یا" خواجہ احمد فاروقی بہ حوالہ گلدستہ ناز نیناں وغیرہ ایسے مواقع پر مرتب نے اپنا نام درج کرنا کیوں ضروری سمجھا ہے یہ معما حل نہ ہو سکا - کیا "روز نامچہ جیون

لال" ، "دہلی اردو اخبار" اور "گلدستہ نازنینان" ان کی تصانیف کے نام ہیں اگر ایسا ہے تو صراحت ضروری تھی -

۸ - فارسی اور ہندی ، یا ہندی اور ہندی الفاظ کے مابین واو عطف کا داخلہ ممنوع ہے مثلاً یوں نہیں کہیں گے - "پیالہ و گھوڑا" یا "پیار و پریم" اگرچہ پہلی صورت میر کے ہاں ملتی ہے۔ "بہتیری باتیں ہوئی ہیں اخلاص و پیار کی"، یا جامۂ مستی عشق اپنا مگر کم گھیر تھا"، لیکن اس وقت زبان "ان گھڑ" تھی اور بقول حاتم "سر کو دھڑ کا قافیہ" باندھ دیتے تھے۔ بعد میں اساتذہ نے ایسی ترکیبوں کو ٹکسال سے باہر کر دیا - اس رسالے میں ان معمولی باتوں کا لحاظ بھی نہیں رکھا گیا - "چھٹی و ساتویں و آٹھویں" (ص ٦٩) اسی کی مثال ہے - ایک جگہ "جائے رہایش" کی ترکیب بھی ملتی ہے - اول تو "جائے پر ہمزہ غلط، پھر رہایش کو ی سے لکھنا غلط - آخری میں پوری ترکیب مہمل "رہائش"، نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی—یہ کچھری کے محرروں کی زبان ہے اور علمی رتبہ سے فروتر -

۹ - "غالب نے ایک ایرانی کی صحبت و شاگردی اختیار کی" (ص ٦٧) اگر اس ایرانی سے ملا عبدالصمد مراد ہے تو اس کا خارجی وجود مشتبہ[۱] ہے - اگر نئی تحقیق سے اس کا وجود خارجی ثابت ہو چکا ہے تو اس کی صراحت ضروری تھی -

۱۰- غالب کی قیام گاہوں کے سلسلے میں "گلی قاسم جان کے اصلی والے پھاٹک" کو (تصویر نمبر ٦) نواب الہی بخش خان معروف کا مکان بتایا ہے ، یہ ثبوت کا محتاج ہے - اس

---

۱ - دیکھو احوال غالب مرتبہ مختار الدین احمد (مقالہ قاضی عبدالودود)

معاملہ میں حمیدہ سلطان صاحبہ کے بیان کو بطور سند پیش کیا ہے - وہ معروف کی ہم عصر نہیں ہیں نہ ان کی شہادت قابل قبول ہو سکتی ہے - یہ بھی غلط ہے کہ اسی مکان میں غالب کی شادی ہوئی تھی - ثبوت درکار ہے - اصلاً یہ نواب معظم زمانی بیگم عرف بگا بیگم کے والد (نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں) کا بنوایا ہوا ہے - یہ ممکن ہے کہ اس مکان میں بگا بیگم کی شادی ہوئی ہو -

۱۱- اسی محولہ بالا مضمون میں ایک فارسی عبارت اردوئے معلی کے صفحہ ۳۱۸ کے حوالے سے نقل کی گئی ہے - (ص ۸۷) مگر اصل کتاب سے غیر حاضر ہے اور کلیات نثر غالب میں موجود ہے -

آفاق دہلوی مرتب ''نادرات غالب'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ غالب قمار خانہ قائم کرنے کے الزام میں کالے صاحب کے مکان سے گرفتار ہوئے تھے - اس سے اختلاف نہیں کیا - یہ غلط ہے کالے صاحب کے مکان میں غالب اواخر جولائی ۱۸۴۷ع میں آئے ہیں مگر مضمون نگار نے مئی ۱۸۴۷ع لکھا ہے -

اسی طرح حکیم محمود خاں والے مکان کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے تشنہ ہے - چند باتیں قابل غور ہیں :

(الف) غالب کالے خان صاحب کی حویلی سے اٹھ کر حکیم محمود خان کے بھائی (حکیم محمد حسن خان) کے مکان میں آ رہے تھے - اور یہ مکان وہی ہے جسے غالب نے ''تنگ نامہ'' کہا ہے محمد حسن خان کی حویلی تھی جس کا بیشتر حصہ منہدم ہو کر دوبارہ تعمیر ہو چکا ہے -[1]

۱- جس مکان میں آج کل سلطان یار خان وکیل رہتے ہیں یہ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۳۲ پر)

(ب) مضمون نگار نے ''کروڑا والی حویلی'' کا محل وقوع ہمدرد دواخانے کے سامنے گلی قاسم جان میں داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ پر بتایا ہے - در آن حالیکہ یہ ''بائیں ہاتھ پر واقع ہے اور اب اصلی حالت میں محفوظ نہیں -

(ج) ''اسماعیل خاں کا مکان'' کے عنوان سے مضمون نگار نے لکھا ہے کہ یہ مکان ''گلی قاسم جان کے اس نکڑ پر واقع تھا جو بلی ماراں کی طرف ہے - اس مکان کے سامنے ہندوستانی دواخانہ ہے -''

واقعہ یہ ہے کہ جہاں اب ہندوستانی دواخانہ ہے یہاں پہلے حکیم محمود خان کی بہن کا مکان تھا جو حکیم مظفر حسین سے بیاہی تھیں - حکیم مظفر خان ٹونک چلے گئے تھے - ان کے اس مکان میں غالب کا زنان خانہ تھا - مسجد کے عقب میں غالب کے رہنے کا مکان تھا - جسے مردانہ مکان کہہ سکتے ہیں - یہ حویلی بہت بڑی تھی - جب ورثہ میں تقسیم ہوئی تو حکیم اجمل خان کے حصے میں اصطبل بنوا لیے گئے تھے - وہ بعد میں ان کے صاحبزادے حکیم جمیل خان نے فروخت کر دیا ہے - حکیم اجمل خاں اور حکیم عبد المجید خان کے حصے کا مکان ابھی کم و بیش اپنی پہلی حالت پر موجود ہے - میرا خیال ہے کہ اسماعیل خان سے اس کو کچھ علاقہ نہیں -

(د) انہوں نے لکھا ہے کہ غالب کی ولادت یقیناً ان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۱ سے)
بھی محمد حسن خان کی حویلی کا ایک حصہ تھا اور اس کے ڈانڈے وہاں تک تھے جہاں اب حکیم عبد الحئی انصاری کا مطب اور اس کے نیچے ایک ہوٹل ہے -

ننھیال ہی میں ہوئی[1] ۔

غالب کی کسی تحریر سے اس "یقیناً" کی تائید نہیں ہوتی ۔ مالک رام صاحب نے اگرچہ ایسا خیال ظاہر کیا ہے ۔[2] لیکن یقیناً وہ بھی نہیں کہہ سکتے ۔

(ز) "غالب نے ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ع) سے دہلی میں سکونت اختیار کر لی[3] ۔"

یہ قطعیت کے ساتھ متعین نہیں کیا جا سکتا ۔ وہ شادی سے پہلے بھی دہلی آتے جاتے تھے اور شادی کے معاً بعد ہی دہلی میں مقیم نہیں ہوئے ۔ اگر ملا عبد الصمد کا وجود خارجی تسلیم کر لیا جائے تو غالب نے بقول خود ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۰–۱۸۱۱ع) میں اس سے ملاقات کی اور دو برس اپنا مہمان رکھا اور یہ آگرے کے زمانۂ قیام کی بات بتاتے ہیں ۔ اس لئے خود ان کا ۱۲۲۸ھ (۱۲ - ۱۸۱۳ع) تک آگرے میں ہونا تو بہر حال ثابت ہے[4] ۔

اس میں شبہہ نہیں کہ جناب خلیق انجم نے جو ایک نوجوان ادیب اور نقاد ہیں، بڑی محنت سے یہ مضمون لکھا ہے لیکن بعض پہلو تفصیل طلب رہ گئے ہیں اور یہ معمولی سی فروگزاشتیں کھٹکنے لگتی ہیں ۔

۱- اردوے معلی غالب نمبر/۵۷ ۔
۲- ذکر غالب/۲۱ ۔
۳- اردوے معلی غالب نمبر/۷۷ ۔
۴- غالب کی قیام گاہوں کے سلسلے میں میرا مأخذ حکیم محمد کامل خان صاحب ہیں جو شریف منزل بلی ماراں دھلی میں رھتے ہیں اور شریف خانی خاندان کے معمر فرد ہیں ۔

(۱۳) ڈاکٹر گیان چند جین نے "غالب اور بھوپال" کے عنوان سے دو انکشاف کئے ہیں ۔ ایک تو غالب کی وہ غزل جس کا مقطع ہے :

پیرانہ سال غالب مے کش کرے گا کیا
بھوپال میں مزید جو دو دن قیام ہو

جعلی ثابت کی ہے ۔ دوسرے نسخۂ حمیدیہ کے غائب ہونے کی کہانی بتائی ہے ۔ جس وقت جناب مالک رام دیوان غالب مرتب کر رہے تھے اور اس غزل کو شامل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے میں نے بھی شبہہ ظاہر کیا تھا کہ غالب کی کسی تحریر سے یا کسی دوسرے ماخذ سے ان کا بھوپال جانا ثابت نہیں ہوتا ۔ مگر انھوں نے یہ فرمایا کہ غالب ۱۷۹۷ع میں پیدا ہوئے ہیں اور ان کے خطوط ۱۸۴۹ع سے ملنا شروع ہوتے ہیں ۔ ۵۲ برس کی اس طویل مدت میں صرف ان کے سفر کلکتہ اور چند دوسرے واقعات کا علم ہوتا ہے اور آدھی صدی کے کتنے ہی اہم واقعات ہماری دسترس میں نہیں ہیں ۔ اس لیے یہ ممکن ضرور ہے کہ وہ کبھی بھوپال جا نکلے ہوں ۔ خارجی شواہد کی روشنی میں یہ بات اتنی مستند بھی نہیں تھی اور اس غزل کے جعلی ہونے کا ثبوت بھی نہیں ملا تھا ۔ اس لیے ان کا اس غزل کو دیوان میں شامل کر لینا کچھ ایسا ناروا بھی نہیں تھا اس کے جعلی ہونے کی داستان دیوان طبع ہونے کے بعد معلوم ہوئی ہے ۔ حضرت مولانا علی عرشی نے بھی اپنے مرتبہ دیوان میں اس غزل کو شامل کیا ہے[1] ۔ اس سے ان بزرگوں پر غیر ذمہ داری کا الزام لگانا زیادتی ہے ۔

---

۱ - دیوان غالب نسخۂ عرشی/۳۰۲ -

اس مضمون میں بڑی احتیاط کے ساتھ "نسخۂ حمیدیہ" کے غائب کرنے کا الزام بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق پر لگا دیا گیا ہے۔ میں اس بارے میں کیا عرض کر سکتا ہوں الحمد للہ مولوی عبدالحق ابھی سلامت ہیں وہ خود تردید یا توثیق کر سکتے ہیں (جس وقت یہ مضمون لکھا گیا تھا (جون ۱۹۶۰ع) اس وقت موصوف حیات تھے)

(۱۴) ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے جو اردو کے ذہین اور بالغ نظر محقق ہیں۔ "غالب کا ایک نیا خط" کے عنوان سے سخاوت حسین مدہوش بدایونی کے نام غالب کا ایک خط پیش کیا ہے۔ جو سب سے پہلے رسالہ "سراج سخن" میں شائع ہوا تھا اور خطوط غالب کے کسی مجموعے میں نہیں آ سکا ہے۔ یہی خط جناب فرخ جلالی نے ضروری تمہید کے ساتھ "آج کل" (غالب نمبر: فروری ۱۹۶۰ع) میں شائع کرا دیا ہے۔ نارنگ صاحب نے اس پر صرف یہ اضافہ کیا ہے کہ رسالہ سراج سخن کے بارے میں زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ اہم ہے مگر غالبیات کے سلسلے میں بالکل غیر متعلق سی بات ہے۔

(۱۵) کوئی صاحب محمد ذاکر ہیں۔ انہوں نے "دیوان غالب کا پہلا اور آخری مطبوعہ نسخہ" سامنے رکھ کر اختلافات کی نشان دہی کی ہے۔ پہلے نسخے سے مراد مطبع سید الاخبار والا ۱۸۴۱ع کا ایڈیشن ہے اور آخری ایڈیشن "دیوان غالب نسخۂ عرشی" کو قرار دیا ہے۔ (حالانکہ دیوان غالب کے چند ایڈیشن نسخۂ عرشی کے بعد بھی چھپ چکے ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار کی نیت عرشی صاحب کو متہم کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ان کی تحقیق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے لکھتے ہیں:

"سرسید نے آثار الصنادید کا پہلا ایڈیشن ۱۸۴۷ء میں اسی چھاپے خانے سے شائع کیا تھا لیکن آثار الصنادید پر مطبع سید الاخبار نہیں بلکہ سید المطابع درج ہے ۔"

یہ عبارت موصوف نے "ہندوستانی اخبار نویسی" سے نقل کر لی ہے خود آثار الصنادید کی زیارت نہیں کی جس کی طبع اول کے پہلے ہی صفحے پر جلی قلم سے :

"در مطبع سیدالاخبار باہتمام سید عبد الغفور بقالب طبع درآمد ۔"

لکھا ہوا ہے ۔ جہاں انہوں نے عرشی صاحب کے بیان کردہ پندرہ سطری مسطر کی تغلیط کی ہے وہاں یہ بھول گئے ہیں کہ مسطر میں مکتوبی اور غیر مکتوبی دونوں ہی سطریں شمار ہوتی ہیں ۔ عرشی صاحب کا بیان غلط نہیں ہے ۔ انہوں نے صولت پبلک لائبریری رامپور کے نسخے سے فائدہ اٹھایا ہے اور یہ نسخہ راقم الحروف نے بھی دیکھا تھا ۔

مقالہ نگار نے ایک ایسا اعتراض کیا ہے جس پر ہنسی آتی ہے یعنی غالب کے دیباچۂ دیوان میں عبارتیں پیرا گراف کی صورت میں نہیں تھیں اور اعراب و اضافتیں بھی نہیں دی گئیں ۔ عرشی صاحب نے ایسا کیا ہے گویا "بدعت" کرکے غالب کے دیباچے کا مطلب ہی فوت کر دیا ہے لیکن موصوف کو شاید علم نہیں کہ غالب کے دیباچے ہی پر موقوف نہیں اس زمانے کی اور اس کے بعد بھی ۲۵—۳۰ برس کے عرصے میں چھپی ہوئی کسی کتاب پر وہ اعراب یا باقاعدہ پیراگراف اور رموز و اوقاف نہیں دکھا سکتے ۔ ان کا رواج پنجاب میں تعلیمات کے ڈائرکٹر کرنل ہالرائڈ وغیرہ کی کوششوں سے ہوا

ہے اور موجودہ آداب تحریر میں ان کا لحاظ بے حد ضروری ہے ۔ عرشی صاحب نے اگر اسے رموز و اوقاف اور اعراب و اضافت کے ساتھ پیرا گراف میں تقسیم کرکے نقل کیا ہے تو یہ بات قابل تعریف ہے نہ کہ قابل اعتراض ۔

رہا صحیح تعداد اشعار کا معاملہ تو یہ ایسا نہیں کہ اس پر اتنی طویل بحث کی جائے ۔ سیدھی بات ہے کہ پہلے ایڈیشن میں جتنے اشعار ہیں انہیں شمار کر لیا جائے اور وہی صحیح تعداد ہے ، عرشی صاحب نے نسخۂ عرشی کے دیباچے میں ہر ردیف کے اشعار کی صحیح تعداد پیش کر دی ہے اس کی تغلیط اسی وقت ممکن ہے جب مضمون نگار ہر ردیف کے اشعار کی صحیح تعداد خود شمار کرکے پیش کرتا ۔

اختلافات نسخ کی نشان دہی میں بھی انہوں نے یہ بات فراموش کر دی ہے کہ ۱۸۴۱ع کے بعد خود غالب کی زندگی میں ان کے دواوین کے متعدد ایڈیشن چھپے ہیں اور ان میں غالب نے رد و بدل بھی کیا ہے ۔ اس لیے صحیح متن وہ سمجھا جائے گا جو غالب کی نظر سے آخری بار گذر کر چھپا ۔ اگر ۱۸۴۱ع کے نسخے میں کچھ باتیں متداول دواوین سے مختلف ہیں تو ان کی نوعیت ایک مضمون کے مسالے کی ہو سکتی ہے مگر ان کی بنیاد پر دیوان کے متن میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی ۔

(۱۶) جناب خواجہ احمد فاروقی کے اس مجموعے میں متعدد مضامین ہیں ۔ پہلا مضمون "غالب کے ایک شاگرد مولانا بیدل" پر لکھا گیا ہے ۔ مگر ان کی تصانیف کا پورا تعارف نہیں کرایا ۔ عبدالسمیع بیدل کا وطن "رامپور ضلع

سہارن پور" دوادبن لکھا ہے۔ مگر اس طرف اشارہ نہیں کیا کہ وہ ریاست رامپور سے مختلف ایک مقام ہے۔ بظاہر مضمون نگار کو اس کا علم نہیں ورنہ مالک رام پر یہاں بھی اعتراض کرتے۔

عبدالسمیع بیدل کی سب تصانیف کے "پیش نظر" ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن قریب بہ یقین ہے کہ بعض تصانیف جن کا سرسری تعارف کرایا گیا ہے ان کے سامنے نہیں ہیں اور یہ معلومات کسی دوسرے ذریعے سے اخذ کرکے دی گئی ہیں۔ مثلاً "حمد باری" کے ذیل میں لکھا ہے:

بیان لغات میں منظوم رسالہ۔ مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۳۱۳ھ تعداد صفحات ۳۲ ابتدا:

سیل ہے رو اور نالا اے دبیر
ندی ارغاب اور تالاب آب گیر

(ص ۱۱۶)

ہمارے سامنے "حمد باری" کا جو ایڈیشن ہے وہ ۱۳۲۷ھ میں مطبع قاسمی میرٹھ سے شائع ہوا تھا۔ اس کی ابتدا "التماس مولف" سے ہوتی ہے جو تین صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ تلخیص ملاحظہ ہو:

کہتا ہے . . . . عبدالسمیع رامپوری کہ جس وقت . . . . شیخ الٰہی بخش کے چھوٹے بھائی حقیقی یعنی . . . . حافظ عبدالکریم صاحب کے فرزند . . . . وحید الدین نے فارسی پڑھنے کی طرف طبیعت رجوع کی خالق باری شروع کی۔ اس کتاب کے بعض الفاظ پنجابی اور سنسکرت اس کی سمجھ میں نہ آتے تھے . . . . تب میں نے . . . . بیان لغات میں یہ رسالہ . . . .

لکھا . . . . وقت تألیف رسالہ چند نسخ معتبرہ . . . . مثل 'صراح و انفس' و برہان قاطع و غیاث اللغات و نفائس اللغات اس عاجز کے پیش نظر رہتے تھے . . . . اگر کسی صاحب کو شبہ و اشکال ہو . . . . تو . . . . مجھ کو تیر ملامت کا نشانہ نہ بناویں بلکہ اولاً حواشی رسالہ ہذا . . . ملاحظہ فرماویں . . . . ،، (مقدمہ : حمد باری)

تین صفحوں کے اس مقدمے کے بعد اصل رسالہ شروع ہوتا ہے جس میں پہلے حمد ہے ۔ ابتدا :

حمد باری لکھ کے اور نعت رسول
جو لکھے بیدل کرو دل سے قبول
ہے خدا اللہ پیغمبر رسول
ہے صحابی جس کو ہو صحبت حصول

پھر ''فصل دربیان آسمان و متعلقات آں،، (ص ۶) اس کے بعد ''فصل دربیان سال و ماہ وغیرہ'' (ص ۷) پھر ''فصل دربیان زمین و آنچہ دراں است از معاون و بحار و اماکن وغیرہ'' (ص ۸) اس فصل میں چھ شعروں کے بعد ساتواں شعر یہ آتا ہے جسے ڈاکٹر فاروقی نے اپنے مضمون میں ''ابتدا،، کا شعر بتایا ہے ۔

سیل ہے رو اونالا اے دبیر
ندی ارغاب اور تالاب آب گیر

(حمد باری ص ۹)

یہ خالق باری کے طرز کا مختصر سا رسالہ ہے اس کے حواشی میں مشکل الفاظ کی تشریح اختر امروہوی نے کی ہے حافظ محمود شیرانی خالق باری کے مقدمے میں اس رسالے کا تذکرہ کر چکے ہیں ۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فاروقی نے بیدل

کی تصانیف کو ملاحظہ نہیں فرمایا کسی اور ذریعے سے معلومات اخذ کی ہیں۔ ورنہ وہ اس کے مندرجات سے ہمیں صحیح طور پر مطلع فرماتے۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ مضامین لکھتے وقت فاضل مضمون نگار نے اپنی توجہ دوسری مہمات پر مرکوز رکھی ہے انہوں نے جناب مالک رام پر غلط حوالہ دینے، غلط بیانی کرنے اور تحقیقی غلطیوں کا ارتکاب کرنے کی فرد جرم عائد کی ہے[1] اس طرح گویا آس احتجاج کا "الزامی جواب" دیا ہے جو مالک رام نے رسالہ معارف (اعظم گڑھ) میں شائع شدہ مضمون "غالب کا سکہ شعر" میں نا مکمل اور گمراہ کن حوالہ دینے پر کیا تھا[2]۔ لیکن عجیب اتفاق ہے کہ جتنے الزام انہوں نے مالک رام پر لگائے ہیں اسی نوعیت کی تمام تر غلطیاں خود اپنے مضامین میں بھی کی ہیں۔ میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ "تلامذۂ غالب" میں بعض تاریخی اور تحقیقی غلطیاں ہیں[3]۔ لیکن اس کا ایک پہلو یہ بھی نظر میں رکھنا چاہیے کہ انہوں نے یہ کتاب قاہرہ (مصر) میں بیٹھ کر لکھی تھی جہاں ظاہر ہے کہ اردو کا کوئی بڑا کتب خانہ نہیں ہے۔ نہ وہاں اردو میں تحقیقی کام کرنے کے لیے رسائل میسر آ سکتے ہیں۔ میرا اعتراض صرف یہ ہے کہ تحقیقی اور تاریخی غلطیوں کی نشان دہی کے وقت "نیت بخیر" ہونی چاہیے۔

---

۱ - ملاحظہ ہو اردوے معلی صفات ۹۲، ۹۹، ۱۰۹، ۱۱۸ وغیرہ

۲ - معارف (اعظم گڑھ) اگست ۱۹۵۹ع

۳ - ملاحظہ ہو میرا مضمون "تلامذہ غالب پر ایک نظر نقوش (لاہور) دسمبر ۱۹۵۹ع

۱۷ - یہی حال فاروقی صاحب کے ''غالب اور بے صبر'' والے مضمون کا ہے - اس ضمن میں جتنی معلومات پیش کی ہیں وہ رسالۂ اردو ادب (علی گڑھ) رسالہ نیا دور (لکھنو) اور رسالہ نقوش (لاہور) سے اخذ کی گئی ہیں لیکن ایک رسالہ کا حوالہ بھی نہیں دیا - جناب معراج دھولپوری نے برہما سروپ کی لکھی ہوئی ''سوانح عمری بے صبر،، تلامذۂ غالب کی اشاعت کے بعد دریافت کی ہے اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ تو دریافت ہے ، مالک رام اس کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے - آداب تحقیق سے واقفوں کو یہ معمولی سی بات معلوم ہے کہ جو ماخذ معروف و مشہور ہوں یا مقالہ نگار جن سے استفادے کا مدعی ہو صرف انہیں کی روشنی میں اس کے بیانات کو پر کھا جا سکتا ہے - اگر میرے پاس کوئی ایسی مستند قلمی دستاویز ہو جس سے غالب کا ہاشمی سید ہونا ثابت ہو جائے تو اس سے پہلے چھپنے والی کتابوں کے مصنفوں پر اتہام بددیانتی یا کہاں حقیقت کا لگانا کھلی ہوئی زیادتی ہوگی -

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ فاروقی صاحب نے ''سوانح عمری بے صبر،، کہاں دیکھی ہے ؟ اگر انہوں نے رسالہ اردو ادب ہی سے یہ سب باتیں ماخذ کی ہیں تو مضمون نگار جناب معراج دھولپوری کا نام کیوں نظر انداز کیا گیا ہے -

''غالب اور بے صبر،، کے عنوان سے بارہ صفحوں کے اس مضمون میں ، بے صبر کے چند غیر مطبوعہ اشعار کے سوا کوئی نئی بات معلوم نہیں ہوتی - ''ہندستانی ماحول،، وغیرہ کی بحث بالکل فضول ہے - اس کا غالب نمبر میں قطعاً موقع نہ تھا -

۱۸ - ایک اور مضمون ''غالب کے چند غیر مطبوعہ فارسی رقعات حضرت غمگین کے نام،، خواجہ احمد فاروقی صاحب

ہی کا لکھا ہوا ہے - ان خطوط کا سراغ سب سے پہلے محمد یونس خالدی صاحب نے لگایا تھا وہ غالباً حضرت غمگین پر کوئی کتاب بھی لکھ رہے ہیں غمگین کے بارے میں مختلف اوقات میں رسالہ فاران (کراچی) رسالہ مہرنیمروز (کراچی) اور آج کل (دہلی) نیز رسالہ اردو (کراچی) اکتوبر ۱۹۵۹ع میں مضامین بھی شائع ہو گیے ہیں - ان کے حالات کے سلسلہ میں خواجہ صاحب نے کوئی نئی بات نہیں کہی - سوائے اس کے کہ چند غیر معروف اور بعض غیر اہم کتابوں کے حوالے دینے کا التزام کیا ہے۔ غمگین اور ان کے خاندان کے حالات اب سے چوتھائی صدی قبل ''سیرت الصالحین،، کے نام سے آگرہ اخبار پریس آگرہ سے شائع ہو چکے ہیں - ظاہراً مضمون نگار کو اس کا مطلق علم نہیں -

غمگین کے نام غالب کے جو خطوط پیش کیے ہیں ان کے مطالب کی روشنی میں ایک نہایت وقیع مضمون جناب میکش اکبر آبادی کا لکھا ہوا رسالہ آج کل (دہلی - فروری ۱۹۶۰) میں شائع ہو چکا ہے - اس سے ان خطوط کے مطالب اور مندرجات پر اچھی روشنی پڑتی ہے - خواجہ صاحب چوں کہ تصوف کے مردمیدان نہیں نہ اس کی اصطلاحوں سے واقف ہیں اس لیے انہوں نے صرف فارسی متن بلا ترجمہ درج کردیا ہے - (اس میں بھی کئی فاحش غلطیاں ہیں) ان خطوط کے پیش کرنے کا انداز بھی عجیب ہے - دوسری بات یہ کہ رسالہ اردو (اکتوبر ۱۹۵۹ع) میں خطوط کا جو متن پیش کیا گیا ہے اس سے مقابلہ کرنے پر بعض اختلافات بہت اہم نظر آتے ہیں - اب خدا جانے کہ صحیح متن کون سا ہے جو اردو (کراچی) میں چھپا ہے یا جسے اردوے معلی میں پیش کیا گیا ہے -

نظر بظاہر "اردو،، کا متن قرین قیاس معلوم ہوتا ہے -

۱۹ - ڈاکٹر یان ماریک چیکوسلواکیہ میں اردو پڑھاتے ہیں - ان کے مضمون کا عنوان ہے ''چیک زبان میں دیوان غالب کا ترجمہ" یہ صحافیانہ انداز کا ہے اور ترجمہ معلوم ہوتا ہے -

اب چند باتیں عمومیت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں- یونیورسٹی سے اردو کا ''تحقیقی رسالہ" ہی اگر شائع کرنا ہے تو اس کے لیے بہت سے ناپیمودہ گوشے باقی ہیں آن پر صحت اور جامعیت کے ساتھ کام کیا جا سکتا ہے - مثلاً مومن خاں کا فارسی کلام ابھی تک بے توجہی کا شکار ہے اس کے کلیات فارسی کا کوئی اچھا کیا برانسخہ بھی بازار میں دستیاب نہیں ہوتا - اگر اس ضرورت کا احساس کیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا - غالب کے سلسلے میں بہت کام ہو چکا ہے اور اب کسی نئی بات کے دریافت ہونے کا امکان بھی بہت کم ہے - بس یہی ممکن ہے کہ ان کے شاگرد درشاگرد ، احباب ، محلے والے اور نزدیک و دور کے قرابت رکھنے والے زیر بحث لائے جائیں یہ کام اگر کسی درجے میں بھی مفید ہیں تو ان پر جناب قاضی عبدالودود، جناب مالک رام ، جناب امتیاز علی خاں عرشی ، جناب مختار الدین آرزو وغیرہ بہت کچھ کر چکے ہیں اور کریں گے - تاریخ ادب اردو کے بہت سے پہلو ابھی تک تاریکی میں ہیں بنیادی اوراہم کام یہ ہے کہ ہم تخلیقی فکر کا رجحان پیدا کریں اور تحقیق میں یہ بوالعجبیاں دکھا کر موضوع کو ناقابل فہم نہ بنائیں -

جس وقت معاصر (حصہ ۹) "میر تقی میر : حیات اور شاعری،، پر قاضی عبدالودود صاحب کی تنقید شائع ہوئی تھی ڈاکٹر فاروقی نے لندن سے ایک خط جناب آل احمد سرور کو

لکھا تھا اور وہ انہوں نے ''ہماری زبان'' (علی گڑھ) میں شائع کر دیا تھا - اصل عبارت سردست پیش نہیں کر سکتا لیکن فاروقی صاحب کا مفہوم یہ تھا کہ فلاں ادارے میں ''ریسرچ میتھڈ الوجی'' پر فلاں بزرگوار کا لیکچر سنا بے ساختہ آپ (آل احمد سرور) یاد آ گیے - مقرر موصوف نے اس بات پر زور دیا تھا کہ اس چیز کی کوئی اہمیت نہیں کہ میر جمعہ کے دن پیدا ہوئے تھے یا ہفتے کو یا نپولین کے گھوڑے کا رنگ مگسی تھا یا ابلق - اصل چیز سماجی رشتے اور تہذیبی عوامل ہوتے ہیں اور ان کا سراغ لگانا اور اس رشتہ غیر محسوس کا دریافت کر لینا دیدہ وری کی علامت ہے - ''میں ڈاکٹر فاروقی کے اس خیال سے متفق تھا لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اردوے معلی کے شمارے میں عملی طور پر انہوں نے خودہی اس نظریے کی تغلیط کر دی ہے - اس میں سارا زور اس بات پر ہے کہ غالب کے دیوان میں صحیح تعداد اشعار کیا ہے - بے صبر کب پیدا ہوئے ، غمگین کے نام غالب کے کتنے رقعات ہیں اور بیدل کی تصانیف دس ہیں یا کم و بیش ـــــ وغیرہ ، ظاہر ہے کہ ان باتوں کا علاقہ سماجی عوامل یا تہذیبی رشتوں سے کر گیا ہو سکتا ہے ؟

ہمیں یہ چند سطور لکھنے کی ضرورت نہ ہوتی اگر ہم یہ نہ دیکھتے کہ رسالہ دہلی یونیورسٹی کے اردو شعبہ کی جانب سے نکلا ہے اور شعبے کے صدر اس کے ایڈیٹر ہیں جنھوں نے ایک سو ساٹھ صفحوں کے رسالے میں پندرہ جگہ اپنا نام درج کرکے رسالے کا اعتبار بڑھایا ہے پھر یہ رسالہ غالب سے منسوب ہے جس کے پڑھنے والوں کا بڑا حلقہ اسے ذوق و شوق سے دیکھے گا - ظاہربن اور ناواقف حضرات جو انگریزی اخباروں

سے اردو کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں ایسی ہی چیزوں سے متاثر ہو کر بے تکلف An authority on the Poet کا خطاب دے دیتے ہیں ۔

(۲)

(میرے ایک کرم فرما نے ''اردوے معلی : غالب نمبر پر میرا تبصرہ ملاحظہ فرما کر مجھے ایک طویل خط لکھا ہے جس میں میرے بعض اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے ۔ اس کے ضروری اقتباسات پیش کرتا ہوں ، میں نے اپنے خیالات کا اظہار حاشیے میں کر دیا ہے ــــــ ن ۔ ا ۔ ف)

۱ ۔ ''یہ اعتراض فضول سا ہے کہ اردوے معلی نام اور پرچوں کا بھی تھا[۱] ۔''

۲ ۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد بالقابہ ''ڈاکٹر لکھنے کے بعد سارے القاب غیر ضروی ہیں،، اگر کوئی لکھنا چاہے تو اس پر اعتراض کیا ہے ؟ ڈاکٹر لقب نہیں کہ اس کے بعد 'بالقابہ' فاضل سمجھا جائے[۲]۔

---

۱ ۔ یہ اعتراض بنیادی نہیں ، لیکن اس نظر سے ہے جیسے جناب غلام رسول مہر نے ''خطوط غالب'' دو جلدوں میں مرتب کرکے نہ صرف یہ کہ مولوی مہیش پرشاد کی محنت سے پورا فائدہ اٹھایا بلکہ اپنے مرتبہ مجموعے کا نام تک دوسرا رکھنے کی زحمت نہ فرمائی کوئی قرینہ یہ نہیں کہتا کہ شعبۂ اردو کو رسالے کا یہ نام رکھنا ضروری تھا ۔

۲ ۔ ڈاکٹر کے ساتھ عالی جناب ، اور صاحب کے اجتماع ضروری نہیں ۔ ڈاکٹر خود ایک اعزاز ہے ۔ جس طرح انگریزی میں اس لفظ کے ساتھ ''مسٹر'' یا ''اسکوائر'' نہیں لکھا جاتا ۔

۴ - ''خواجہ احمد فاروقی بحوالہ روزنامچہ جیون لال''
آپ کو اعتراض ہے کہ اپنا نام کیوں لکھا ، یہ ٹھیک نہیں -
اعتراض اس پر ہو سکتا تھا کہ اس طرح نہ لکھنا تھا - کوئی
اور شکل اختیار کرنی تھی - دراصل ڈاکٹر فاروقی یہ بتانا
چاہتے ہیں کہ عبارت دوسروں کی ہے مگر اس کا پیش کرنے والا
میں ہوں[1] -

۵ - رہائش فارسی لفظ بھی ہے مگر وہ جو اردوے معلی
میں ہے ''رہ''سے بنا ہے اور میں اسکے استعمال سے احتراز کرتا
ہوں اس کا املا بھی 'ی' ہی سے ہوگا اسلئے کہ فارسی کے
سانچے میں ڈھالا گیا ہے[2] -

۶ - ''حمیدہ سلطان : . . . . معروف کی ہم عصر نہیں ہیں -
نہ انکی شہادت قابل قبول ہو سکتی ہے''، اگر آپ واقعی یہ کہنا
چاہتے ہیں کہ حمیدہ سلطان ایک غیر ثقہ راوی ہیں، اس صورت
میں تو جو کچھ آپ نے لکھا ہے ٹھیک ہے- یہ نہیں کہنا

---

۱ - اعتراض یہ ہے کہ ایسے مواقع پر پیش کرنے والے کے نام
کی ضرورت ہے نہ فائدہ - اپنے جن مضامین میں فاروقی صاحب نے
ان عبارتوں سے فائدہ اٹھایا ہے -

۲ - فرمایش ، فہمایش ، آرایش ، آسایش اور اسی قبیل کے
فارسی الفاظ یقیناً 'ی' سے لکھے جائیں گے لیکن رھائش کے بارے میں
اول تو مجھے قطعاً اس لفظ کے مستند ھونے سے انکار ہے ، اور لکھا
بھی جائے تو اسے فارسی الفاظ کے التباس سے بچانا چاہئے - یہ اسی
طرح برداشت کیا جا سکتا ہے جیسے پٹہ خانہ ، ٹھیکہ‌دار ، لٹھ بند،
اور نوق البھڑک -

چاہتے تو یہ لکھنا تھا کہ وہ معاصر نہیں، اس لیے اس معاملے میں ان کی شہادت کچھ وزن نہیں رکھتی[1] -

۷ - بھوپال والی غزل پہلی بار جس طرح پیش ہوئی تھی- وہ اس کے جعلی ہونے کا قطعی ثبوت تھا[2] - یہ بات دوسری

---

۱ - غلطی مجھ سے یہ ہوئی کہ جس عبارت پر اعتراض تھا وہ نقل نہ کی اب حاضر ہے : ''یہ غالب کے خسر نواب الٰہی بخش خان کا مسکن تھا ، یہیں دہلی کی سر زمین سے غالب کا پہلی بار رشتہ قائم ہوا تھا یعنی امراؤ بیگم سے ان کی شادی ہوئی تھی (ملاحظہ ہو تصویر نمبر ۷) یہ اس کمرے کی تصویر ہے جس میں غالب کا نکاح ہوا تھا''- (ص ۰۸-۷۸) میں نے خلیق انجم صاحب سے دریافت کیا تھا کہ انہیں یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی انہوں نے حمیدہ سلطان صاحبہ کا نام لیا - اس پر مجھے اعتراض ہے - ایک تو وہ مکان نواب الٰہی بخش خان معروف کا (کم از کم موجودہ حالت میں) نہیں دوسرے یہاں غالب کی شادی ہونے کی معلومات کا کوئی قدیم تر ذریعہ نہیں - نواب خسرو مرزا ، حکیم الیاس خاں ، حکیم کامل خاں ، آغا حیدر حسن دہلوی اور ایسے کتنے بزرگوں سے میں نے اس سلسلے میں معلومات چاہیں انہوں نے یہی بتایا کہ وہ مکان نواب ضیاءالدین احمد خاں نیر رخشاں کا ہے اور اس کے سامنے والا مکان نواب صاحب مرحوم کا دیوان خانہ تھا - (جس میں آجکل روزنامہ الجمیعۃ کا دفتر ہے) خلیق انجم صاحب کو محض حمیدہ سلطان صاحبہ کے بیان پر اکتفا نہ کرنا تھا -

۲ - وہ غزل پہلی بار بھوپال کے ایک چھوٹے رسالہ ''گوہر تعلیم'' (اپریل ۱۹۳۷ء) میں چھپی تھی اور بقول ڈاکٹر جین اس کے عنوان میں ''اپریل فول'' بھی لکھا ہوا تھا - مگر وہاں سے رسالہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۸ پر)

ہے کہ مالک رام صاحب اور عرشی صاحب کو اس کا علم نہ تھا ۔ عرشی صاحب کا مرتبہ نسخہ دیوان اب تک میں نے بالاستعجاب نہیں دیکھا اس لیے میں نہیں کہہ سکتا کہ انھوں نے غزل مذکور کس طرح پیش کی ہے ۔ لیکن جس طرح مالک رام صاحب (کے) مرتبہ دیوان میں ہے یقیناً قابل اعتراض ہے۔ انھیں یہ ضرور لکھنا تھا کہ غالب کی طرف منسوب کرنے کے لیے جو شہادت ہے وہ (نا) کافی ہے ۔ دیوان میں یہ غزل دیکھ کر میں نے خود بھی انھیں اس کے بارے میں لکھا تھا حالاں کہ اس وقت مجھے اس کا علم نہ تھا ۔ پہلی بار یہ غزل کس طرح شائع ہوئی تھی ۔ غالب کا بھوپال جانا نا ممکن نہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷ سے)

"ھمایوں" (لاھور) (اپریل ۱۹۳۹ع) اور "منادی" (دھلی) نے بھی نقل کر لی ۔ حضرت مالک رام اور عرشی نے اسے "ھمایوں" ھی سے نقل کیا تھا ۔ اصل مآخذ کا "ھمایوں" میں حوالہ نہ تھا یا انھیں دستیاب نہ ھو سکا جس سے یہ علم ھوتا کہ غزل اپریل فول کے سلسلے میں کہی گئی ہے ۔ عرشی صاحب نے غزل کا ماخذ "ھمایوں" (اپریل ۱۹۳۹ع) بتایا ہے ۔ (جین صاحب نے لکھا ہے کہ "وھاں سے لیکر اوائل ۱۹۳۸ع میں رسالہ ھمایون نے اسے شائع کر دیا) میرا اعتراض یہ ہے کہ مالک رام صاحب یا عرشی صاحب پر اس صورت میں الزام آ سکتا تھا کہ ان کا مأخذ رسالہ "گوھر تعلیم" ھوتا ۔ "ھمایوں" میں جس انداز سے غزل پیش کی گئی تھی اس سے کسی کا گمراہ ھونا تعجب انگیز ھو سکتا تھا ۔

تھا ، لیکن قیاس ہرگز اس کے موافق نہ تھا[1] ۔

۸ ۔ "کوئی صاحب محمد ذاکر ہیں،، اس طرح نہ لکھنا تھا[2] ۔ یوں لکھنا تھا "محمد ذاکر صاحب لکھتے ہیں" میں نے ان کا مضمون دیکھا ہے اس کی غرض ہرگز یہ نہیں معلوم ہوتی کہ عرشی صاحب کے کام کی تخفیف کی جائے[3] ۔ انہوں

---

۱ ۔ "بھوپال میں مزید جو دو دن قیام ہو" والی غزل رسالہ ہمایوں اپریل ۱۹۳۹ء (جلد ۳۰ ش ۴) سے نقل کی تھی اور اس میں اسی طرح پیش کی گئی تھی۔ "مرزا غالب کی ایک غیرمطبوعہ غزل"

فصیح الملک ، خدائے سخن ، نواب مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غیر مطبوعہ غزل ، وہ متبرک روحانی تحفہ جواب تک مرزا غالب کے کسی دیوان یا ضمیمے میں شائع نہیں ہوا اور جواہیر الامرا نواب یار محمد خاں صاحب مرحوم کے کتب‌خانہ قدیم سے بذریعہ خاص حاصل کرکے "دین و دنیا" میں شائع کیا جا رہا ہے (جوہر قریشی بھوپال)

بھولے سے کاش وہ ادھر آئیں تو شام ہو
کیا لطف ہو جو ابلق دوراں بھی رام ہو الخ

اس کے آخر میں ہمایوں نے حوالہ "دین و دنیا" کا دیا ہے۔ (۳۱۶) ۔ میں نے اپنے پچھلے خط میں یہ کہا تھا کہ ہمایوں میں غزل مذکور جس طرح پیش کی گئی تھی اس سے کسی کا گمراہ نہ ہونا تعجب خیز ہو سکتا ہے۔ مندرجہ بالا اقتباس میری بات کی تصدیق کرتا ہے ۔

۲ ۔ میرے یہ الفاظ کالعدم سمجھے جائیں ۔

۳ ۔ مضمون کی "غرض" یہ نہ ہو لیکن اس سے ان کے کام کی تخفیف ہوتی ہے ۔ اختلافات سے قطع نظر میرا مدعا تو یہ ہے کہ محمد ذاکر صاحب کا مضمون خود استنباط و استخراج کی غلطیوں سے میرا نہیں ۔

نے نسخۂ اول اور نسخۂ عرشی کے اختلافات دکھائے ہیں۔ ان کی غرض عرشی صاحب پر اعتراض نہیں۔

۹ - اشعار کی صحیح تعداد کیا ہے اس کے بارے میں آپ کا کچھ کہنے کا حق اسی وقت پہنچ سکتا تھا جب آپ خود اشعار کو گنتے بخوبی ممکن ہے کہ محمد ذاکر صاحب نے ٹھیک لکھا ہو[1]۔

۱۰ - رامپور ضلع سہارن پور لکھنے کے بعد یہ بتانا ضروری نہ تھا کہ مصطفی آباد رامپور[2] سے مختلف ہے۔

۱۱ - صفحہ ۱۹ "مالک رام پر یہاں بھی اعتراض کرتے" عبارت غیر واضح ہے[3]۔

---

۱ - میں اس نسخے کا عکس حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اس موضوع پر اسی وقت کچھ عرض کر سکوں گا۔

۲ - "رامپور ضلع سہارنپور" واوین میں لکھنے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مضمون نگار کو شک ہے۔ میرا اعتراض "واوین" پر ہے۔

۳ - اس لیے کہ مالک رام صاحب کو یہ علم نہ ہو سکا کہ بیدل جس رامپور کے رہنے والے تھے وہ مصطفیٰ آباد رامپور سے مختلف ہے۔ مالک رام صاحب نے رسالہ "نور ایمان" سے بیدل کے کچھ اشعار اور اسی رسالے کے دیباچے سے بیدل کے مختصر حالات تلامذہ میں نقل کئے۔ ہیں بیدل کی دوسری تصانیف ان کی دسترس میں نہ تھیں۔ فاروقی صاحب نے بیدل پر مضمون لکھتے ہوئے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ جس غزل کا ماخذ "دیباچہ نور ایمان" بتایا گیا ہے اس میں جناب مالک رام کا منقولہ کلام نہیں حالاں کہ ترجمہ بیدل کے متن میں مالک رام صاحب نے لکھا ہے کہ رسالہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۱ پر)

۱۲ - تلامذۂ غالب کہاں لکھی گئی مجھے اس کا علم نہیں مگر یہ اس وقت چھپی ہے جب مالک رام صاحب ہندوستان میں تھے - ان کی طرف سے یہ جواب کہ مصر میں لکھی گئی جہاں کوئی اردو کا بڑا کتب خانہ نہیں، ٹھیک نہیں، اس صورت میں اس طرح کی کتاب لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی[1] -

۱۳ - خواجہ احمد فاروقی صاحب کی نیت پر اعتراض نہ کرنا تھا - بحث یہ ہے کہ اعتراض صحیح ہے یا غلط نیت کچھ ہی کیوں نہ ہو[2] -

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ سے)

نور ایمان سے اقتباس کرکے چند اشعار پیش کئے جا رہے ہیں اور ترجمے کے آخر میں جو حوالہ ''دیباچہ نور ایمان'' کا ہے وہ صرف حالات کے لیے ہے - اگر فاروقی صاحب نے رسالہ ''نور ایمان'' خود دیکھا ہوتا تو انہیں یہ علم ہونا چاہئے - جن اشعار کو وہ دیباچے سے غیر حاضر بتاتے ہیں، وہ متن میں موجود ہیں ! علیٰ ھذا، مالک رام نے رامپور کی صراحت نہیں کی تھی کہ یہ ''رامپور منہیاران'' ہے فاروقی صاحب بھی اس سے بے خبر تھے ، اسی لیے انہوں نے نہ خود صراحت کی نہ مالک رام صاحب کی گرفت کر سکے -

۱ - میری مراد مالک رام کی وکالت نہیں لیکن کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اگر ڈاکٹر فاروقی اپنی کتاب 'میر تقی میر'' اس صنعت کے التزام کے ساتھ لکھ سکتے ہیں کہ کوئی صفحہ تاریخی ، تحقیقی اور تنقیدی غلطیوں سے خالی نہ ہو ، اور اس عالم میں جب انہیں وسائل میسر تھے اور خود انہوں نے ''دوسری بار'' اسے لکھا ہے اور تیرہ برس تک اس پر عرق ریزی کی تھی ، تو مالک رام کو محض چند غلطیوں پر متہم کرنے کا انہیں حق نہیں پہنچتا -

۲ - یقیناً ہمیں معترض کی نیت سے سروکار نہ رکھنا چاہئے لیکن فاروقی صاحب نے جو خود اعتراضات کئے ہیں ان میں سے بیشتر

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۲ پر)

۱۴ - ڈاکٹر یان ماریک اردو میں مضامین لکھتے ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۱ سے)

بے بنیاد ہیں اور خود ان کے مضامین میں اس نوعیت کی غلطیاں موجود ہیں اور ان کے اعتراضات کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ مالک رام کے کام کی تخفیف کی جائے جو غالباً ۱۹۳۴ع سے غالب اور غالبیات پر کام کر رہے ہیں ۔ ان کا کام برا ہے یا بھلا اس سے بحث نہیں ، لیکن اسے بہرحال ڈاکٹر فاروقی کے کام پر فوقیت حاصل ہے ۔ نیت کا حال یہ ہے کہ فاروقی صاحب ہمیشہ اپنا مآخذ بتانے سے گریز کرتے ہیں ۔ جب امداد صابری صاحب کی کتاب ''تاریخ صحافت اردو'' چھپ کر آئی تو اس میں اخباروں سے جو بعض خبریں نقل کی گئی تھیں انہی میں دھلی اردو اخبار سے ایک خبر غالب کے ماخوذ ہونے اور ان پر جرمانہ ہونے کے بارے میں بھی تھی ۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۳۵) جناب امداد صابری کو اس وقت یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ یہ واقعہ غالب کے معلومہ واقعہ اسیری سے مختلف ہے ۔ انہوں نے یونہی نقل کر دیا تھا ۔ فاروقی صاحب نے وہاں سے اسے ''کلاسیکی ادب'' کے مقدمے میں نقل کیا (کلاسیکی ادب جولائی ۱۹۵۲ع میں چھپی ہے اور ''تاریخ صحافت اردو'' جنوری ۱۹۵۳ع میں شائع ہو چکی تھی) مگر حوالہ اس طرح دیا گویا براہ راست اس سے فائدہ اٹھایا ہے ۔ دھلی اردو اخبار مؤرخہ ۲۲ اگست ۱۸۴۱ع نیشنل آرکائیوز آف انڈیا (کلاسیکی ادب ص ۔ ۵) مالک رام صاحب نے امداد صاحبری کا حوالہ دیا تھا اب وہ فائل دیکھنے سے معلوم ہوا کہ جس فائل میں دلی اردو اخبار کا مذکورہ شمارہ ہے اس میں ایک شمارے کے آخری صفحے پر غالب کی گرفتاری کی یہ خبر ہے اور اس کے بعد دوسرا شمارہ شروع ہو جاتا ہے ۔ جناب امداد صابری نے سہواً تاریخ دوسرے شمارے کی

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۳ پر)

آپ نے یہ کیوں کہا کہ ترجمہ معلوم ہوتا ہے[1] ۔

۵ ۔ ڈاکٹر فاروقی کا جو خط ہماری زبان میں تھا اس میں (قاضی عبدالودود صاحب کا) نام تک نہ آیا تھا ۔ انہوں نے عام بات کہی تھی ، کوئی مثال نہ دی تھی[2] ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۲ سے)

نقل کردی ۔ اس طرح اصل تاریخ میں ایک ہفتہ کا فرق واقع ہو گیا ۔ وہی غلط تاریخ فاروقی صاحب نے نقل کی (کلاسیکی ادب ص ۵ حوالہ امداد صابری کا نہیں دیا ۔ اسی کو مالک رام نے نقل کیا مگر بحوالہ امداد صابری) یہی غلطی محمد عتیق صدیقی مصنف ''ہندستانی اخبار نویسی'' سے ہو گئی (ص-۹۰) ۔ امداد صابری کا حوالہ دینا شاید فاروقی صاحب کسرشان سمجھتے ہوں ۔ لیکن اس کے عواقب ظاہر ہے اچھے نہ رہے ۔ ایسی صورت میں کسی تنقید نگار کو حق حاصل ہے کہ کسی مصنف یا معترض کی نیت سے بھی نظر بہ حالات گذشتہ بحث کر سکے ۔ کیونکہ بے موقع اعتراض کرنا کسی غیر متعلق بات کا تذکرہ کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ معترض کی نیت میں فتور ہے ۔

۱ ۔ ڈاکٹر یان مارک کے اردو مضامین میری نظر سے نہیں گذرے ۔ مضمون زیر بحث کا انداز غمازی کر رہا تھا کہ یہ اصل نہیں ترجمہ ہے میں نے بعد میں ذاتی طور پر اس کی تصدیق بھی کر لی ۔ میرا اعتراض ترجمہ ہونے نہ ہونے پر نہیں ، اس پر ہے کہ 'صحافیانہ انداز' کا ہے اور علمی و تحقیقی رسالے کے لیے موزوں نہیں ۔

۲ ۔ مجھے ابھی تک ہماری زبان کا وہ شمارہ دستیاب نہیں ہو سکا ۔ مگر اتنا مجھے بھی یاد ہے کہ اس میں قاضی عبدالودود صاحب کا نام نہیں لیا گیا تھا ، نہ میں نے ایسا لکھا ہے لیکن

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۴ پر)

۱۶ - ڈاکٹر فاروقی نے اصولی طور پر (بحوالہ شخصے) جو کچھ لکھا تھا اس سے آپ کا اتفاق حیرت انگیز ہے¹ - اگر میر کی ولادت کی تاریخ زیر بحث ہے تو اس بحث سے تہذیبی عوامل کا کیا سرو کار ہے - اگر کوئی شخص خواہ وہ امریکی ہو یا یورپی یا ایشیائی یہ کہے کہ میر کے حالات زندگی پر جو کتاب لکھی جائے اس میں یہ بحث فضول ہے تو میں یہ کہوں گا کہ اسے سیرت نگاری چھوڑ کر کوئی اور کام کرنا چاہیے۔ بات یہ ہے کہ "ہر شخص (سخن) موقع دھر نکتہ مقامے دارد" کسی پر اعتراض کرتے وقت سب سے پہلے اس کے مطمع

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۳ سے)

بالواسطہ بات تھی اسی (Context)میں رمز و اشاریت کے پردےمیں فاروقی صاحب یہ کہنا چاہتے تھے کہ میری کتاب پر اس نوعیت کے جتنے اعتراضات ہوئے ہیں وہ غیر اہم ہیں ان سے کتاب کی اہمیت کم نہیں ہوتی بلکہ میں نے میر کو اس کے تاریخی ماحول میں دیکھنے کے لیے جو زاویہ نظر اختیار کیا ہے وہ قابل اعتنا ہے۔ (حالاں کہ پوری کتاب میں مجھے کوئی منفرد "زاویۂ نظر" نہیں ملا - جن دو تین باتوں پر انہوں نےزور دیا ہے وہ بھی مستعار خیالات ہیں ان کا اپنا فکر پوری کتاب میں نہیں ملتا - رہی "انشا پر دازی" وہ ایسی کتابوں کے لیے غیر ضروری ھی نہیں مہلک ہوتی ہے)

۱ - اس غلطی کا مجھے افسوس ہے کتابت میں "نہیں" چھوٹ گیا تھا - اب جملہ یوں پڑھا جائے "میں ڈاکٹر فاروقی کے اس خیال سے متفق نہیں تھا" -

نظر اور اس کی تحریر کی علت خائی کو دیکھنا چاہیے[1] ۔

۱۷ - یہ ڈاکٹر صاحب نے دیوان مرتبہ عرشی کو دیوان غالب کا آخری ایڈیشن نہیں بتایا ۔ ''قابل ذکر ایڈیشنوں میں سب سے آخر لیکن سر فہرست'' لکھا ہے فرق ظاہر ہے[2] ۔

۱۸ - ڈاکٹر گیان چند نے ہرگز ڈاکٹر عبدالحق پر الزام نہیں لگایا ۔ انہوں نے جو کچھ ان کے علم میں آیا تھا ، لکھا تھا اور ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر عبدالحق کا جواب بھی درج کر دیا تھا ۔ ان کی روش کسی طرح قابل اعتراض نہیں[3] ۔

۱۹ - (مکتوب دیگر) ...... اردوے معلی کے تبصرے کے بارے میں جو کچھ لکھ چکا ہوں اس پر اتنا اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ اصل لفظ ہندوستان ہے اور ہندستان اس کا

---

۱ - میں نے اسی ''مطمح نظر اور علت خائی'' کو نظر میں رکھ کر پہلے اعتراض کئے تھے اور اسی کی روشنی میں جوابات عرض کر رہا ہوں ۔

۲ - یہ بھی تو بتانا تھا کہ ''قابل ذکر'' سے ان کی مراد کیا ہے ؟ سردار جعفری کا مرتبہ دیوان غالب (۱۹۵۸ء) اس کے بعد چھپا ہے کیا وہ ناقابل ذکر ہے ؟ الہ آباد ، لکھنؤ ، لاہور ، کراچی ، اور دہلی سے جو ایڈیشن بعد میں چھپے ہیں انہیں کیوں ''قابل ذکر'' نہ سمجھا جائے ۔

۳ - مجھے ان کی روش یا نیت پر شبہ نہیں ۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بے شبہ دیانت داری سے لکھا ہے ۔ لیکن واقعات کا تجزیہ خارجی اور داخلی شہادتوں کی بنیاد پر نہیں کیا ، یہ البتہ قابل اعتراض ہے ۔

مخفف ہے جیسے اگر کا مخفف گر ہے - یہ املا کا سوال نہیں -
آپ جس طرح چاہیں لکھیں میں خود ہندوستان لکھتا ہوں[1] -

---

۱ - میں نے خود یہ لکھا ہے کہ یہ لفظ دونوں شکلوں میں لکھا جاتا ہے - کسی ایک کے صحیح یا غلط ہونے سے بحث نہیں ، لیکن ایک ہی شکل اختیار کرنی چاہئے - اردوے معلی میں کہیں واؤ سے لکھا ہے کہیں بدون واؤ - یہ روش قابل اعتراض ہے -

کلام غالب کا ایک ہم عصر شارح

(درگا پرشاد نادر دہلوی)

شعرائے اردو میں بشمول علامہ اقبال ، کسی شاعر کے کلام کی اتنی شرحیں نہیں لکھی گئیں جتنی غالب کے اردو دیوان کی لکھی گئی ہیں ۔ ان کے عہد سے آج تک یہ سلسلہ جاری ہے ۔ کلام غالب کے سب سے پہلے شارح تو خود مرزا غالب ہی ہیں ، جنھوں نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کو وقتاً فوقتاً اپنے اشعار کے معانی اور مطالب خود لکھ کر بھیجے ہیں اور یہ ان کے خطوط میں بکھرے ہوئے ہیں ۔ مولانا امتیاز علی عرشی نے دیوان غالب نسخۂ عرشی کے حواشی میں ایسی تقریباً کل عبارتیں فراہم کر دی ہیں جو غالب نے اپنے ہی شعروں کی تفسیر و تاویل کے سلسلے میں لکھی تھیں ۔

غالب کے ہم عصروں میں ان کے کلام کی شرح جزوی طور پر مولانا الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ع-۱۹۱۴ع) نے بھی لکھی ہے۔ یعنی یادگار غالب میں جہاں انھوں نے کلام غالب کی لفظی و معنوی خوبیوں اور خصوصیتوں سے بحث کی ہے ، مثال میں ان کے اشعار پیش کیے ہیں ، اور ان اشعار کی درد و بست یا معنوی نزاکت کو بہت دل نشین پیرائے میں سمجھایا ہے ۔ بعض اشعار کا وہ مفہوم جو آج سمجھا جاتا ہے سب سے پہلے مولانا حالی ہی نے بیان کیا تھا ۔ مثلاً :

کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

حالی نے اس کے بیان کی خوبی اور ندرت کی طرف اشارہ کر دیا ہے تو اب خواہ ہر شخص اسے سمجھتا ہو اور سامنے کی بات کہے، لیکن میرا خیال ہے کہ اگر حالی اس شعر کی وضاحت نہ کرتے تو شاید ہی کسی کا ذہن ادھر منتقل ہوتا، یعنی دوسرے مصرعے میں لفظ "مکرر" شعر کے معنوں کی کلید ہے، کہ پہلا مصرع ایک بار بطور صلاے عام پڑھا جاے اور اسی کو دوبارہ اعتراف کے طور پر پڑھیں کہ فی الواقع کوئی نہیں ہو سکتا! اسی طرح کی اور بھی مثالیں ہیں جنھیں مولانا حالی نے اس طرح پیش کیا ہے کہ غالب کے فن کی عظمت کا گہرا نقش دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ مولانا حالی کے بیان کردہ مطالب کو پڑھ کر ہی عام طور پر یہ احساس بھی پیدا ہوا کہ غالب کا کلام شرح و تفسیر کا محتاج ہے اور پھر مختلف شارحین نے بقدر حوصلہ اس کی معنوی تہوں کا سراغ لگانے کی کوشش کی۔

غالب کے دوسرے ہم عصر شارح خواجہ قمرالدین راقم[۱] (۱۸۳۲ع-۱۹۱۰ع) ہیں۔ انھوں نے بھی دیوان غالب کی ایک شرح لکھی تھی، لیکن یہ اب دستیاب نہیں ہوتی[۲] تیسری

۱- راقم کے حالات کے لیے رجوع کریں: احوال غالب مرتبہ ڈاکٹر مختارالدین احمد ۲۹۰-۲۹۴

۲- اس مضمون کی اشاعت کے بعد مجھ سے پروفیسر سید احتشام حسین نے بیان کیا کہ اس شرح کا مسودہ انھیں دستیاب ہو گیا ہے۔ یہ بہت بوسیدہ اور آب زدہ ہے اس لیے جا بجا عبارتیں مغشوش ہوگئی ہیں۔ بہرحال یہ شرح قابل قدر ہے اور اس لائق ہے کہ اسے شائع کیا جائے

معاصر شخصیت درگاہ پرشاد نادر دہلوی[1] کی ہے جسے اس مضمون میں پہلی بار شارح کلام غالب کی حیثیت میں روشناس کرایا جا رہا ہے۔ غالب کی وفات کے بعد دیوان غالب کی شرحیں مختلف مدارج کی لکھی گئیں۔ کچھ علمی انداز کی کچھ درس و تدریس کے مقصد کو پورا کرنے والی اور بعض محض چربہ اور نری نقالی۔ پھر ان کی دو حیثیتیں ہیں۔ بعض شارحین کا مقصود ہی کلام غالب کی شرح لکھنا تھا انہوں نے دیوان غالب کے آغاز سے اختتام تک ہر شعر کا مطلب بیان کیا اور وضاحت کی خواہ وہ شعر صاف اور سہل ہی کیوں نہ ہو۔ بعض نے ضمناً اور جزوی شرح لکھی اور ان کا مقصد یا تو محض مشکل اشعار کا مطلب بیان کرنا تھا یا غالب کے فکر و فن کا جائزہ پیش کرنا تھا۔ اس ضمن میں جن شارحین کے نام لیے جا سکتے ہیں وہ یہ ہیں :

احمد حسین شوکت میرٹھی ، علی حیدر نظم طباطبائی ، مولانا حسرت موہانی ، بے خود موہانی ، بے خود دہلوی ، عبدالباری آسی ، جوش ملیسانی ، آغا محمد باقر ، نیاز فتح پوری ، خلیفہ عبدالحکیم ، مولانا سہا مجددی ، اثر لکھنوی وغیرہ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے چنانچہ جناب شمس الرحمن فاروقی تفہیم غالب کے عنوان سے اشعار غالب کی شرح لکھ رہے ہیں جو رسالہ شب خون الہ آباد میں بالاقسط شائع ہو رہی ہے اور ڈاکٹر[2] گیان چند نے دیوان غالب نسخۂ حمیدیہ کی شرح لکھ لی

---

۱ - نادر دہلوی کے حالات کے لیے : دہلی کالج میگزین (دلی نمبر) (۱۹۵۹ع) ۳۷۷-۳۸۳

ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے[1]۔

(۲)

کلام غالب کی جزوی شرح کرنے والوں میں مرزا غالب کے ہم عصر منشی درگاہ پرشاد نادر دہلوی بھی ہیں۔ یہ کپل منی کی اولاد گیاش گوت کے برہمن خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے پردادا منشی بردے رام بھی شاعر تھے، دادا منشی لکھپت رائے اور والد منشی منسا رام ناتواں بھی شعر و سخن کا مذاق رکھتے تھے۔ اصل وطن سرہند تھا لیکن نادر شاہ کے حملے میں وہاں سے اجڑ کر دہلی میں آباد ہو گئے تھے۔ یہیں ۱۲ جمادی الاول ۱۲۴۹ھ مطابق ۲۱ ستمبر ۱۸۳۳ع کو بدھ کے دن درگاہ پرشاد پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرکے ۱۸۵۲ع میں دہلی کالج میں داخل ہوئے۔ یہاں منشی ذکاءاللہ، مولانا امام بخش صہبائی اور ماسٹر رام چندر دہلوی سے تعلیم حاصل کی اور ۱۸۵۷ع کے واقعات سے قبل ہی ضلع رہتک میں محرر کپاس ہو گئے۔ ۱۸۹۵ع سے ۱۸۶۳ع تک ضلع گڑگانواں میں فارسی کے مدرس رہے اور ۱۸۶۴ع میں دہلی کے محلہ تیلی واڑہ کے اسکول میں تبادلہ ہو کر آ گئے۔ فروری ۱۸۷۷ع میں انھوں نے شادی کی اور اسی سال اپریل میں لاہور چلے گئے۔

---

۱ - دہلی میں صد سالہ یادگار غالب کی تقریبات کے موقع پر پروفیسر عبدالقادر سروری نے شارحین غالب سے متعلق ایک مفصل مضمون پیش کیا تھا جو ان تقریبات کی روئیداد میں چھپے گا۔ میرا اندازہ ہے کہ اب تک غالب کے کلام کی تقریباً ۳۷ شرحیں ہر معیار و مقدار کی لکھی گئی ہیں۔

پنڈت درگا پرشاد نادر دہلی سوسائٹی کے ممبر بھی تھے پیارے لال آشوب ہی کی فرمائش سے انہوں نے شعرائے دکن کا تذکرہ خزینۃالعلوم فی متعلقات المنظوم تیار کیا تھا ، جو مطبع مفید عام لاہور سے طبع ہوا ۔ نادر کی دوسری تصانیف تذکرۃالنساے نادری عرف چمن نادر بھی ہے جس میں ۱۴۴ شاعرات کا حال اور کلام درج ہے ۔ یہ پہلی بار ۱۸۸۴ع میں اکمل المطابع دہلی سے شائع ہوا تھا ۔ نادر کے بیشتر مسودات ۱۸۵۷ع کے ہنگامے میں غتر بود ہو گئے۔ بعد کو ایک مختصر دیوان نظم مطاب غریب (۱۲۹۳ھ) فراہم کر لیا تھا ۔

نادر ہی کی ایک تصنیف کا مطبوعہ نسخہ راقم الحروف کے ذخیرے میں ہے جس کے ابتدائی دو صفحات اور سرورق غائب ہے ، آخر سے بھی کچھ ورق ضائع ہو گئے ہیں ۔ بظاہر اس کتاب کا نام ''چار چمن'' ہے اور اس کی یہ ترتیب ہے :

پہلا چمن : شعر کی خوبی اور شعر فہمی میں شعراء کی فضیلت اور غرض ۔ اس میں اقسام شعر کے تحت لکھا ہے :

اول قسم : عارفانہ دوسری قسم : عاشقانہ تیسری قسم : نصیحتانہ چوتھی قسم : شاعرانہ[1]

ان میں سے ہر قسم کی مثالیں اساتذہ کے کلام سے فراہم کی گئی ہیں اور ان اشعار کے بین السطور میں یہ بھی ظاہر کر

---

۱ - اب تک یہ خیال تھا کہ شاعری کی موضوعات کے لحاظ سے ایسی تقسیم پہلی بار مولانا حسرت موہانی نے پیش کی لیکن معلوم ہوا کہ نادر اس معاملے میں حسرت کے پیش رو ہیں

دیا ہے کہ یہ کون سی قسم کے شعر ہیں - پہلا چمن صفحہ ٦٤ پر تمام ہو جاتا ہے - آخر میں ''تاریخ تالیف خزینۃالعلوم مصنفہ لالہ درگا پرشاد نادر دہلوی" میر مقصود علی رافع کی ہے :

لکھا نادر یہ تذکرہ نادر — اب یہ حاسد کو چاہیئے غم سے
قلب رنجور رافعا زخمی — دگنا اور تگنا چوگنا کرلے

حاشیے پر بتایا ہے کہ قلب بمعنی دل ، لفظ رنجور کا دل یا قلب ج ١٣٩٦ھ ہے اس کو ترتیب وار اس کے ٣ کے ہندسے کو دگنا کیا تو ٦ ہوئے اور تگنا کیا تو ٩ بنے اور تین کو چوگنا کیا تو ١٢ ہوئے یہ صنعت ریاضی جمع و ضربیہ ہے -

دوسری تاریخ کا عنوان یہ ہے :

''تاریخ کتاب ہذا بطور اختصار قطعہ مندرجہ کتاب ہذا صفحہ ٢٥١ حلم مولف شاگرد مصنف موصوف"

اس قطعہ تاریخ میں ۵ شعر ہیں جن میں آخری دو یہ ہیں :

شوق تھا یہ شاعری میں کون سی سیکھوں کتاب
جس سے آ جائیں مجھے اس علم کے طر زور رسوم
عیسوی مصرع میں ہجری کہہ صلاف ہاتف نے دی
حلم چو چند جی لگا کر پڑھ خزینۃالعلوم
(١٢٩٦ھ)

اس کی تشریح حاشیے پر یوں لکھی گئی ہے :

''ہاتف نے جو صلاح دی کہ عیسوی مصرع میں ہجری کہہ اس سے ثابت ہے کہ کل مصرع عیسوی سنہ کا

ہے جس کے حرفوں سے ۱۸۲۹ء نکلے ۔ اس مصرع کے اندر ہجری سنہ اس طرح کہے کہ خزینۃالعلوم پر جس کے حرفوں سے ۱۲۴۴ھ نکلتے ہیں چوچند بھی لگایا۔ جی کے ۱۳ ہیں اس کا چوچند ۳۲ ہوئے ، ۵۲ کو ۱۲۴۴ھ پر لگانے سے ۱۲۹۶ھ ہو گئے ۔ اس کو صنعت حسابیہ کہتے ہیں ۔"

اس کے بعد "پہلے چمن کا حل" پیش کیا ہے اور گزشتہ ابواب میں جو اشعار مثالوں میں آئے ہیں ان کے معانی و مطالب بیان ہوئے ہیں ۔ یہ ۴۶ صفحوں کو محیط ہیں ۔

دوسرا چمن : اشعار محاورات میں ہے ۔ یہ ۲۷ صفحوں پر مشتمل ہے اور ساتھ ہی اس کے اشعار کا حل ۵۰ صفحوں میں ہے ۔

تیسرا چمن : ضرب‌الامثال میں ہے اس کے تحت ضرب المثال اور ان کی تشریح کی گئی ہے ۔ ہمارے نسخے میں یہ صرف س تک ہے ۔ اس حصے میں اشعار نہیں ہیں ۔

(۲)

اس کتاب کے پہلے اور دوسرے چمن میں غالب کے جو اشعار پیش ہوئے ہیں اور ان کا مطلب بیان کیا گیا ہے وہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ یہاں حاشیوں پر وہ عبارت دی گئی ہے جو ان اشعار کے حواشی میں درج ہے اور اشعار کے نیچے وہ مطالب لکھا گیا ہے جو شرح ابیات کے تحت علیحدہ حصے میں بیان ہوا ہے :

"ان کے اشعار اس وجہ سے ادق ہوتے ہیں کہ بہت سے قابل ذکر الفاظ کو محذوف کرتے ہیں۔ بعیدہ قرینہ و اشارہ و ایما پر مدار رکھتے ہیں۔"

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا[۱]

پہلے زمانے میں دستور تھا کہ جس کو عدالت ماتحت کا اپیل کرنا ہوتا تھا وہ عدالت ماتحت کی نقل حکم اپنے جامے پر ٹانک کر عدالت عالیہ کے سامنے جا کھڑا ہوتا تھا۔ یہ فریادی کی نشانی تھی۔ اس کو لباس فریاد کہتے ہیں۔ غالب نے وہی رواج اب ذکر کیا ہے۔ تصویر جو کاغذ پر کھینچی ہوتی ہے تو یہ کاغذ گویا اس کا لباس فریاد ہے اور فریاد اس امر کی ہے کہ مصور نے مجھے لوٹ لیا کہ میری گویائی، بینائی، رفتار اور تمام قدرتی اسباب چھین کر بے زبان اور بے حرکت بنا کر، اصلی صورت بگاڑ کر اس کاغذ میں قید کر دیا۔ اس میں معرفت و تعریف خدا یہ ہے کہ انسان کا اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کا کمال اور صنعت صانع حقیقی کے مقابلے میں کمال عیب اور نقص ہے حالانکہ اپنی دانست اور ظاہری خیال سے مصور تصویر کو اصلی صورت سے عمدہ نقش کرتا ہے، مگر قدرتی اسباب مثلاً گویائی، بینائی، رفتار، نزاکت نہ ہونے سے اصلی صورت بالکل بگڑ گئی۔ مصور کو جو گمان تھا کہ تصویر

۱۔ دیوان غالب ۱۰۴ (مرتبہ مالک رام) آزاد کتاب گھر دہلی، ۱۹۵۷ع آئندہ تمام اشعار میں اسی دیوان کے حوالے دیے گئے ہیں

میری تعریف کرے گی اس لیے درحقیقت تصویر اس کی فریاد کرتی ہے کہ گستاخی کی۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

(دیوان/ ۸۰)

یہ طب کا مسئلہ ہے کہ جب رگوں میں ہوا بھر جاتی ہے تو خون میں بلبلے ہو جاتے ہیں۔ اس کو ریح کی بیماری کہتے ہیں۔ قطرے کو یہ درد ریح ہو کر یعنی ہوا بھر کر بلبلہ بن گیا۔ بلبلے کی ہوا جب تک بلبلے کی حد میں رہے تب تک یہ ہوا کا درد درمیان ہے اور جب یہ ہوا حد سے بڑھی یعنی پھیل کر باہر کو سر نکلا پس اسی دم درمیان سے نکلی اور درد کو آرام ہوا اس لیے درد ہی کا حد سے نکل جانا قدرتی دوا ہے۔ ہوا نکلنا یعنی مر جانا ہے۔ بلبلے کے واسطے فنا ہونا عشرت ہے کہ دریا میں مل کر دریا بن گیا۔ بقول ذوق:

کیونکر حباب ہوسکے دریائے بیکراں
دریا سے جب تلک نہ ملے ٹوٹ پھوٹ کے

مراد یہ ہے کہ عارف فنا ہو کر خدا کی ذات میں مل کر خدا ہو جاتا ہے۔ فنا ہونے کی تکلیف کا انجام اس کے لیے راحت ہے اس کی تاکید میں انہیں کا یہ شعر ہے۔

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہوجائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

(دیوان/ ۱۹۵)

(۳) نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

(دیوان/۶۷)

اول بھی خدا ہے ، آخر بھی خدا ہے ، جسم انسان کی ہستی بیچ میں حائل ہو گئی ، اگر یہ وجود انسانی نہ ہوتا تو میں خدا ہوتا ۔

(۴) اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا

(دیوان/۵۸)

ذوق کے پہلے شعر[1] اور اس شعر کا ایک مضمون ہے ۔

---

۱ - ذوق :
آپ آئینہ ہستی میں ہے تو اپنا حریف
ورنہ یاں کون تھا جو تیرے مقابل ہوتا

اس لیے ہر آئینہ میں تیرا ہی عکس ہے یعنی تو ہی ہے ۔ جب ہر شے میں تو ہے اس قوت کے باعث کہ تو اپنی تجلی کے سہارے کے واسطے اس میں موجود ہے آئینہ ہستی تیری تاب نہ لا سکا اگر اس میں تو نہ ہوتا تو آئینہ ہستی کی کیا ہستی تھی جو تیری تجلی کی تاب لا سکتا ۔ ذرا سی تجلی کوہ طور پر پڑی تھی وہ جل کر خاک ہو گیا تھا ، خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عارف جو تجھے دیکھ لیتا ہے پہلے اس میں تو سمایا ہوا ہے اس وجہ سے عارف تجھے نہیں دیکھ سکتا بلکہ تو ہی اس کے نام سے اپنی ذات آپ دیکھ رہا ہے جیسا کہ ناسخ فرماتے ہیں :

آئینہ یہ دوراں ہے اس میں عکس جاناں ہے
آپ اپنا حیراں ہے آپ ہی اپنا ثانی ہے

پہلے اس کی شرح دیکھو پھر اس کو ۔ اپنا جلوہ انسان کو دکھانے کے واسطے پہلے اس میں آپ بینائی بنا ، اگر وہ آپ ہی بینائی نہ بنتا تو پھر دیکھنے کی کس کو تاب تھی پس وہ بینائی بن کر ہر ایک میں ہے جیسا کہ قران شریف میں فرمایا کہ فحن فی انفسکم یعنی ہم تمہارے نفسوں میں ہیں ۔ دوسری آیت یہ ہے کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید ۔ یعنی ہم تمہاری شاہ رگ سے بھی نزدیک ہیں ، اس میں دوئی کی بو نہیں یعنی وہ اپنے سوا کسی دوسرے کی نظر نہیں پڑتا ، انسان کو جو دکھائی دیتا ہے اس وقت دیتا ہے جب کہ اس کی انسانی ہستی کو مٹا کر آپ بن جاتا ہے ۔ جب دیکھنے دکھانے والا آپ ہی آپ ہے تو دوئی کا ذکر ہے ۔ اگر وہ دوئی پسند ہوتا تو ضرور کبھی نہ کبھی کسی کو اس کی اصلی حالت انسانی میں ملتا چونکہ وہ انسان کو اس کی ہستی مٹا کر آپ بنے بدوں کبھی دکھائی نہیں دیا اس وجہ سے وہ سب میں یگانہ ہے دوئی کی اس میں بو نہیں ۔ مولف نے درویشی نور سے مختصر طور پر اس عقدے کو کھولا ہے ورنہ یہ تصوف کا ایسا باریک مسئلہ ہے کہ خود غالب اس کے بیان پر آگے کے شعر میں فخر کرتا ہے :

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

(دیوان/۵۸)

(۵) محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

(دیوان/۵۰)

حجاب یہاں دو معنی دیتا ہے - ایک چھپانے کا پردہ ، دوسرے ساز کا پردہ - نوا بمعنی گانے کی آواز - یہ شعر ذوق کے دوسرے شعر کے مضمون کے موافق ہے[1] ذوق نے برگ سے ہر شے مراد لی ہے - انھوں نے پردے سے حجاب یا پردہ ستار و طنبور اوسارنگی وغیرہ کے تاروں کو کہتے میں جو اوپر ہی ہوتے ہیں - جب یہ بجتی ہے تو تمام اندرونی حالات آوازوں اور سروں کو ظاہر کر دیتی ہے - اسی طرح جتنے بھید خدا تعالیٰ نے مخلوقات کے پردے میں چھپائے ہیں وہ پردے ہیں ظاہرا خود بخود زبان حال سے اپنے اندرورنی حالات با آواز بتا رہے ہیں - دیکھو ذوق کے دوسرے شعر کی شرح - دوسرے یہ ہے ، جیسے کہ ساز کے مثلاً سارنگی کے بہت سے پردے

---

۱ - ذوق :

گوش شنوا نہیں ہے باغ جہاں میں غافل
ورنہ ہر برگ ہے یاں نغمہ سرائی کرتا

اے غافل تجھ کو معرفت کے کان نہیں ورنہ ہر ایک پتا اس کی تعریف گاتا ہے - پتے سے مراد ہر شے - آدمیوں کی عبادت تو ظاہر ہے ، پہاڑوں کا اس کے عشق میں یہ حال ہے ، رونے سے دریا جاری ہیں دل میں آگ بھری ہوئی ہے ، درخت اس کی نماز میں کھڑے ہیں ، پتوں سے جو آواز آتی ہے وہ ذکر و تسبیح کرتے ہیں - چوپائے رکوع میں ہیں ، زمین کے کیڑے سجدے میں ہیں (پرندے) اس یاد گاے ہیں چنانچہ قمری کہتی ہے حق سرہ ، فاختہ کہتی ہے حق ہو ، تیتر کہتا ہے سبحان تیری قدرت چڑیا بےچوں بےچوں کرتی ہیں بقول نظیر

شام سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بےچوں بےچوں کرتی ہیں

ہوتے ہیں ، ناواقف کو ان میں اکثر فضول نظر آتے ہیں مگر ساز والے کے نزدیک اگر ایک تار بھی کم ہو جائے تو سلسلے میں فرق آجائے ۔ دیکھو حیوانات کا سلسلہ ہاتھی سے لے کر اس کیڑے تک جو پتھر میں ہیں اور بذریعہ خورد بین کے نظر آتے ہیں اور نباتات کا سلسلہ کلاں درخت مثلاً بڑھ کے درخت سے لے کر اس کائی تک ہے جو پتھر میں سے نکل کر پتھر پر جم جاتی ہے جس کے سبب پانوں رپٹتا ہے ، یا چونے والے فرش پر اور دیواروں پر ہوتی ہے جس سے سیاہی آجاتی ہے ۔ اسی طرح اجرام فلکیہ کا جس کو نظام شمسی کہتے ہیں اگر ایک ستارہ کم ہو جائے تو کشش اور گردش کا انتظام بگڑ کر سب ایک جگہ غٹ پٹ ہو جاویں ، وغیرہ وغیرہ ۔ غرض یہ سب کے سب زبان حال سے اس کی تعریف گاتے ہیں کہ ہم کو اس نے کمال صنعت اور حکمت سے اس اس فائدے کے واسطے پیدا کیا ہے ۔ بقول نظامی

دریں پردہ یک رشتہ بے کار نیست
سر رشتہ برما پدید ار نیست

(۶) یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا
یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالہ کے داغ کا

(دیوان/۶۸)

جادہ بمعنی رستہ ۔ لالہ کا داغ سیاہ ہوتا ہے جس کو اندھیرا جانا گیا ہے ، اس اندھیرے کی روشنی کے واسطے جو اس میں پتیاں وہ گویا روشن شمعیں ہیں ۔ اسی طرح باغ گل لالہ کے مشابہ ہے ۔ باغ میں تمام زمین سرسبز ہوتی ہے صرف روشیں یعنی راستے سبزی سے محروم ہیں ، مگر باغ میں جتنے

راستے ہیں وہ باغ میں ایسے خوشنما اور روشن ہیں جیسے کہ لالہ کے اندر فتیلے - اس وجہ سے باغ میں زمین کا ایک ذرہ بھی بیکار نہیں - مراد یہ کہ جہاں کا ایک ذرہ بھی بیکار نہیں جیسا کہ اوپر کے شعر میں گزرا -

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

(دیوان/۱۳۶)

بموجب قول فلاسفہ کے کل شئی یرجع الی اصلہ - اس لیے تمام چیزوں کی مٹی بن جاتی ہے اور پھر وہ مٹی پہلی صورت پر آنے کی کشش کرتی ہے - چوں کہ حسینوں کو لالہ و گل سے تشبیہ ہے ، پس حسینوں کی مٹی نے کشش کرکے گل اور لالہ کے روپ میں ظہور پکڑا ، یعنی جو خوبصورت چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں وہ خوبصورتوں کی خاک وجود میں آتی جیسا کہ ناسخ فرماتے ہیں :

باغ میں گلبن ہیں گلدستے مزاروں کے تمام
خاک میں کیا کیا ہی گل رخسار پنہاں ہو گئے

یعنی باغ میں جتنے پھولوں کے بوٹے ہیں سب خوبصورت مردوں کی مٹی سے اٹھ کر قبروں کے گلدستے بن گئے ہیں -

(۸) شوق[۱] ہر رنگ رقیب سرو ساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

(دیوان/۴۴)

۱- ہر رنگ میں یار کے دیکھنے کا شوق - رقیب بمعنی دشمن-

پردۂ تصویر یا مرقع وہ چادر ہوتی ہے جس میں بہت سی تصویریں ہوتی ہیں۔ اس میں لیلیٰ مجنوں کی بھی تصویر ہوتی ہے۔ سب تصویروں کو قسم قسم کے رنگوں سے لباس اور زیور سے سجایا ہوا ہوتا ہے، لیکن مجنوں کی تصویر سوکھی، کبڑی پھنسلیاں (کذا) نکلی ہوئیں لاغر اور ناتواں اور ننگی ہوتی ہے، اس واسطے لکھا ہے کہ ہر رنگ کا شوق سرو سامان کا دشمن نکلا۔ مجنوں کو جو تصویر کے رنگ میں لیلیٰ کے دیکھنے کا شوق ہوا تو جیسا کہ زندگی میں دیوانگی سے کپڑے پھاڑ کر ننگا رہتا تھا تصویر میں بھی شوق نے ننگا ہی رکھا۔

(۹) یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

(دیوان/ ۵۷)

جب تک انسان زندہ یا اپنی ہستی اور ہوش و حواس میں ہے تب تک وصال یار ہونا یعنی خدا کی ذات میں ملنا نا ممکن ہے اگر قیامت تک اس انتظاری میں جیتے رہیں تو انتظاری کا عذاب ہی سہی مگر ذات میں ملنا مرنے یا فنا ہونے بدوں ممکن نہیں، بقول مست :

خود فنا ہوکے ذات میں ملنا
یہ تماشا حباب میں دیکھا

(۱۰) ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

(دیوان/ ۵۸)

قاعدہ ہے کہ جیتے جی آدمی کی قدر اور شہرت نہیں ہوتی، مرنے کے بعد جو جنازہ اٹھا تو کوچہ و بازار میں

انگلیاں اٹھتی چلی گئیں کہ فلاں عاشق کا جنازہ جارہا ہے اور تمام جگہ شہرہ پھیل گیا کہ فلاں عاشق مر گیا اور پھر قبر نے مشہور کیا کہ یہ فلاں عاشق کی قبر ہے ۔ اگر دریا میں غرق ہو جاتا تو جنازہ اٹھانے کی ضرورت پڑتی اور نہ کہیں قبر بنتی ۔ سب طرح کی رسوائیوں سے بچ جاتے ۔ مطلب یہ کہ عاشقان خدا مر کر زیادہ شہرت پاتے ہیں اور ہمیشہ تک مشہور اور زندۂ جاوید رہتے ہیں جیسا کہ ذوق کے پانچویں شعر میں ہے[1] ۔

(۱۱) دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی ترنہ ہوا تھا
(دیوان/ ۷۳)

میں نے ابھی کچھ بھی گناہ نہ کئے تھے کہ گناہ ختم ہو چکے ۔ گناہ کرنے کے ارمان دل کے دل ہی میں رہ گئے۔ مذاق یہ کہ شریعت والے گناہوں کو بہت برا بتاتے ہیں ۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے بلکہ خدا کا دریائے مغفرت بہت بڑا ہے اور عاشق لوگ بہت گناہوں کو اس واسطے دوست رکھتے ہیں کہ ایک تو گناہ گار کو خدا سامنے بلا کر پوچھے گا ، تو اس بہانے سے خدا کا جمال دیکھیں گے دوسرے بخشش کے قابل بھی گناہ گار ہی ہے :

نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحق کرامت گناہ گار انند

---

۱ - جن کی نظر چڑھا ترا رخسار آتشیں
ان کا چراغ گورنہ تاحشر گل ہوا

(۱۲) ثابت ہوا ہے گردن مینا پہ خون خلق
لرزے ہے موج مے تری رفتار دیکھ کر

(دیوان / ۹۲)

شراب سے حسن زیادہ آب و تاب پر ہو جاتا ہے جو عاشق کو زیادہ قتل کرتا ہے ۔ چوں کہ یہ تیز تلوار صراحی میں سے نکلی اس لیے عاشقوں کا خون صراحی کی گردن پر پڑا ، یعنی وہی معاون قتل ہوئی ، اس خوف سے صراحی سے آتی ہوئی شراب کی موج تھرتھراتی ہے کہ جس طرح رنگ کی مشابہت میں صراحی پکڑی گئی کبھی ایسا نہ ہو کہ حسن کی رفتار کی مشابہت سے میں پکڑی جاؤں ، کیوں کہ جس طرح اس کا رنگ قتل کرتا ہے اسی طرح اس کی رفتار کرتی ہے ۔ حسن کی رفتار کو موج شراب سے تشبیہ ہے ۔ خدا کا ہر رنگ اور ہر چال دیکھ کر عشق ولولے مارتا ہے ۔

(۱۳) ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

(دیوان / ۱۳۹)

اگر دوست کا ملنا مشکل کے ساتھ ہو تو آسان بات ہے کیوں کہ ہے تو سہی ۔ مشکل تو وہ بات ہے کہ مشکلوں سے بھی ملنا نصیب نہ ہو یعنی ناممکن ہو ۔ طالبوں کے واسطے شے کی طلب میں ہر ایک مشکل بہت آسان ہے ۔ وہ تو مشکل اس بات کو جانتے ہیں کہ مشکلیں جھیل کے بھی مطلوب نہ ملے یعنی ملنا ناممکن ہے ۔

(۱۴) سچ کہتے ہو خود بین وخود آرا ہوں ، نہ کیوں ہوں
بیٹھا ہے بت آئینہ سیما مرے آگے

(دیوان / ۲۲۱)

جب آئینہ سامنے ہوتا ہے تو اپنا آپ نظر آتا ہے تو وہ آئینہ دیکھنے والا خود بین ہوتا ہے یعنی اپنے آپ کو دیکھتا ہے - چونکہ آئینے جیسی پشیانی والا بت یعنی خدا عاشقوں کے سامنے ہے اور اس میں وہ اپنے آپ کو دیکھ کر مست ہیں اس مستی کو شریعت یا ظاہر والے خود بینی تصور کرتے ہیں -

(۱۵) بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار میں
فرماں روائے کشور ہندوستان ہے
(نسخۂ مالک رام/۱۶۴)

سایہ سیاہ ہوتا ہے اور و ہندوستان بھی سیاہی سے منسوب ہے اس مذاق سے ہندستان آیا - چونکہ یار کا قرب طالبوں کو بادشاہت ہے اس وجہ سے دیوار کے سائے کو بادشاہت ٹھہرایا -

(۱۶) بجا ہے گر نہ سنے نالہ ہائے بلبل زار
کہ گوش گل نم شبنم سے پنبہ آگئیں ہے
(دیوان/۲۱۲)

کان میں روئی ڈالنے سے کچھ سنائی نہیں دیتا - گل کے کان میں یعنی گول پر شبنم پڑ کر حسن کو زیادہ کر دیتی ہے اس غرور میں وہ بلبل کی فریاد نہیں سنتے - یعنی حسن اپنے غرور سے عشق کی آہ و زاری پر ترس نہیں کھاتا -

(۱۷) ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی

عشق حسن سے تنگ آکر اس کے جور و جفا سہنے کی

عادت کر لیتا ہے جب اس کو برداشت پر قائم اور مضبوط پاتا ہے تو ناچار ماننا ہی سوجھتا ہے ۔ مضبوط شوق جتانے کو کہا جاتا ہے ۔

(۱۸) صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر
تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

(دیوان/۹۷)

اس میں یہ مثال ہے آئینے کی حیرت کی صفائی اس کے خبر کا سامان ہے (کذا) جیسا کہ کھڑے پانی کا رنگ بدل جاتا ہے ۔

(۱۹) الفت گل سے غلط ہے دعوی وارستگی
سرو ہے با وصف آزادی گرفتار چمن

الفت میں پھنس کے آزادی کا دعویٰ غلط ہے جیسا کہ سرو باوجود اپنی آزادی کی صفت کے چمن کی الفت میں قید ہوا کھڑا ہے ۔ اس کو تمثیل کہتے ہیں ۔

(۲۰) دردمنت کش دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہو برا نہ ہوا

(دیوان/۶۴)

اگر دوا کیا کر ہوتا تو دوا کا احسان ہوتا ۔ اب جو دوا نہ کھائی اور اچھا نہ ہوا تو یہ بات یعنی میرا بیمار ہونا کچھ برا نہ ہوا بلکہ اچھا ہوا کہ دوا کے احسان کے بوجھوں نہ مرا ۔

(۲۱) تھی وطن میں شان کیا غالب ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشت خس جو گلخن میں نہیں
(کہ گلخن میں دیوان/۱۱٦)

باغ میں باغباں کا دستور ہے کہ پودوں کی پاس کی گھانس کو نکال دیتا ہے تاکہ پودوں کو نقصان نہ پہنچے اور باغ سے باہر پھینک دیتا ہے - پس جب گھانس وطن یعنی باغ میں تھی جب ہی ایسی بے قدر تھی کہ اس کو نکمی ہونے کے باعث باغ سے نکال کر پھینک دیا تھا - اب باغ سے باہر بے اصل سوکھی گھانس کی تو کیا قدر و قیمت ہونی تھی - اسی طرح جس انسان کی قدر وطن میں نہ ہو تو پردیس میں نہیں ہوتی -

(۲۲) نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا ، دعا دیتا ہوں رہزن کو
(دیوان/۱۷۹)

مالدار کو سفر میں مال کے اندیشے سے نیند نہیں آتی اور جب اتفاقاً راہ میں راہزن لوٹ لیتے ہیں تو مال کی حفاظت کا اندیشہ جاتا رہتا ہے اور نچنت ہو کر سوتا ہے تو ظریفانہ رہزنوں کو دعا دیتا ہے کہ مال لوٹ کر دل کو اندیشے کی قید سے رہا کیا اور نیند بھر ملا یا - مطلب یہ کہ زرداروں کو نیند اور چین نہیں ، بے زری میں چین اور آرام ہے -

(۲۳) بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
(دیوان/۵۴)

آدمی ایک تو ظاہر ہے دوسرے معنی خدمت گار ۔ مراد دوم سے ہے ۔[1]

(۳۴) آگ سے ، پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہی صدا
ہر کوئی در ماندگی میں نالہ سے لاچار ہے
(ناچار دیوان/۱۶۹)

جب آگ کو پانی میں ڈالتے ہیں تو بجھتے وقت سوں سوں کی آواز یعنی رونے کی نکلتی ہے ۔ یعنی آگ جو اپنے سوز اور دھوئیں سے جہاں کو رلاتی ہے آفت و مصیبت پڑنے کے وقت وہ بھی رو پڑتی ہے ۔ اسی طرح دشمن سے مغلوب ہو کر ناچاری میں ہر ایک گریہ و زاری کرتا ہے ۔

(۳۵) غارت گر ناموس نہ ہو گر ہوس زر
کیوں شاہد گل باغ سے بازار میں آوے

مال کا لالچ تو قیر کو کھو دیتا ہے ، جس طرح کہ باغ میں گل معشوق بنا ہوا تھا جب زر کا لالچ ہوا تو بکنے کے لیے بازار میں آیا ۔

---

۱ ۔ شرح : آقا لوگ آدمی پیش خدمت یا گھر کے نوکر کو کہتے ہیں ۔ وہ تمام گھر کے مشکل کارو بار کہ آقا سے نہ ہو سکیں آسانی سے کر لیتا ہے مگر آقا والے کا کاروبار انسانیت یعنی علوم و فنون اور صنعت کمالات خدمت گر سے ہونے بہت ہی دشوار ہیں جب ان سے لڑکپن میں نہ ہو سکے جوان ہو کر خدمت گری کی ذلت میں پڑے ۔ مطلب یہ کہ ہر ایک انسان خاص ایک ایک کام کے واسطے پیدا کیا گیا ہے ۔ اس سے اپنا کام آسانی سے ہو سکتا ہے اور دوسرے کا کام اس کو دشوار ہے جیسے کہ سرمایہ خرد میں ہے کل ۔ تلسہ ۔ ام ۔ خلق لہ ۔ یعنی جو شخص جس کام کے واسطے پیدا کیا گیا ہے وہی اس کے واسطے آسان ہے ۔

(۲٦) لپٹنا پرنیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہی حکمت دل میں شورِ غم چھپانے کی
(دیوان/۱٦۲)

پرنیاں ریشمی باریک کپڑا ہے جو آگ کی ذرا سی آنچ سے جل جاتا ہے۔ تو اس صورت میں شعلے کا پرنیاں میں چھپا رہنا بہت مشکل ہے، لیکن اس سے زیادہ محال دل میں غم کی آگ کا چھپانا ہے یعنی جس طرح ریشمی کپڑے میں شعلۂ آتش نہیں چھپتا اسی طرح دل میں غم نہیں چھپتا اور پھونک ڈالتا ہے۔

(۲۷) رفتارِ عمر قطعِ رہ اضطراب ہے
اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے
(دیوان/۱۷۴)

عمر کی چال بے قراری کے راستے کو کاٹتی ہے، یعنی بے قراری کو طے کرتی ہے، یہ عمر جھوٹ پٹ گزر جانا بجلی کے کوندہ جانے سے آسانی سے ایسا سمجھ میں آ جاتا ہے جیسا کہ جنتری میں سال بھر کا حساب آفتاب کی رفتار سے مطلب یہ کہ جس طرح بجلی بھرک کر کوند کے ذرا سی دیر میں غائب ہو جاتی ہے اسی طرح تھوڑی سی دیر میں عمر چمک کر جاتی رہتی ہے۔

(۲۸) نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے
(دیوان/۱۷۷)

دنیا نقد ہے سوفانی ہے، اور آخرت ادہار ہے، حقیقت میں دونوں بے اعتبار ہیں، جو عارف لوگ ہیں وہ دونوں کو

کچھ نہیں سمجھتے ۔ وہ خدا کو حاصل کرتے ہیں اور خدا اپنے آپ کو حاصل کرنے سے حاصل ہوتا ہے ، یعنی جس نے اپنے نفس کو کھو لیا اس نے خدا کو پا لیا ، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا ۔ بس اس لیے میری عالی ہمت نے دونوں عالم کو بے حقیقت سمجھا اور مجھ سے مجھ کو خرید لیا کیوں کہ مجھ میں یعنی انسان میں ذات الٰہی ہے ۔

(۲۹) ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

ہمارا ہونا ہی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ فنا ہونے والی شے ہے یعنی ہونے ہی سے ہم فنا ہوئے جس طرح انسان اپنی قسم کھا کے آپ مر جاتا ہے ، گویا آپ ہی نے اپنے آپ کو فنا کیا ۔

(۳۰) سرگشتگی میں عالم ہستی میں ، یاس ہے
تسکین کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے
(دیوان/۱۶۶)

اس قدر پریشانی ہے کہ زندگی کی امید نہیں ، جب امید نہ رہی تو دل کو بے قراری ہوئی ۔ اب دل کے قرار کے واسطے ایک نہ ایک امید رکھنی چاہیے تو ناچار دل کی تسلی کے لیے مرنے کی امید باندھی تاکہ اگر اور امیدیں پوری نہ ہوئیں تو یہ ضرور پوری ہو گی جب کوئی امید پوری نہ ہو تو مرنا یاد کرکے دل کی تسلی کر لینی چاہیے ۔

(۳۱) مئے عشرت کی خواہش ساقی گردوں سے کیا کیجے
لیے بیٹھا ہے اک دو چار جام واژگوں وہ بھی

(دیوان/ ۱۶۰)

گردوں یعنی آسمان کو ساقی ٹھہرایا چونکہ یہ سات ہیں اور ۱ + ۲ + ۴ سات ہوتے ہیں ، اس واسطے اس کے سات جام ٹھہرائے چونکہ آسمان آلٹے پیالے کی صورت ہے اور الٹا پیالہ خالی ہوتا ہے کسی کو اس سے قطرہ نہیں ملتا اس واسطے آسمان سے کسی کو عشرت کے قطرے کی امید نہیں کیوں کہ وہ تو خود اوندھے اور خالی پیالے ہیں ۔

(۳۲) ایماں مجھے رد کے ہے، جو کھینچے ہی مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

(دیوان/ ۲۲۱)

شریعت تو عشق الٰہی سے ہٹاتی ہے اور کفر یا بت پرستی یعنی عشق الٰہی عشق کی طرف یعنی بت خانے کی طرف کھینچتا ہے اور میں عاشق حق کعبے کو پیچھے عشق کے بت خانے کی طرف یعنی خدا کی طرف جا رہا ہوں ۔ خلاصہ یہ کہ عاشقان خدا کعبے اور ایمان کی طرف پیٹھ کرتے ہیں اور بت خانے یعنی دل کی طرف منھ ہوتا ہے ۔ وہ اسی گھر میں خدا کو دیکھتے ہیں ۔

(۳۳) وہ اللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا سوگند ہو گیا ہے غالب[1]

(دیوان/ ۲۷۸)

---

۱ - اگر آدمی رات بھر جاگتا رہے تو رنگ زرد ہو جاتا ہے اور سونے کا رنگ بھی زرد ہوتا ہے ، اس لیے رات کو نیند نہ آنے سے خالص سونے جیسا پیلا رنگ ہو گیا ۔

سونا سوگند ایک قسم کا خالص سونا ہے ۔ دوسرے معنی یہ کہ سونا قسم ہو گیا ہے ۔ مراد اول سے ہے کہ بیداری سے رنگ زرد ہو گیا ہے ۔

(۳۴) جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(دیوان/ ٦٤)

مصدر دینا سے جان دی بمعنی مر گئے اور دی ہوئی اسم مفعول مشتق ہیں ۔

(۳۵) شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں[1]
دکھتے ہیں آج اس بت نازک بدن کے پانو

(دیوان/ ۱۵۰)

نازک بدنی کا مبالغہ ہے کہ خواب میں آنے سے بھی پانو دکھتے ہیں ۔

(۳٦) بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستان کی
شب مہ ہو جو رکھ دوں پنبہ دیواروں کے روزن میں[2]

(دیوان/ ۱۳۰)

میرا گھر ایسا اندھیرا ہے کہ اگر اس کے دیواروں کے سوراخ میں روئی کا پھول رکھ دیں تو وہ چاند بن جائے اور اس کی چاندنی سے گھر چاندنا ہو جائے یہ مبالغہ ہے کہ سیاہی

---

۱ - اس درجے کے نازک کی تعریف ہے کہ اگر وہ کسی کے خواب میں بھی آ جائے تو اس کے پانو اس طرح دکھنے لگ جاتے ہیں جس طرح کسی کے اصلی سفر میں ۔

۲ - اندھیرے کا مبالغہ ۔

میں سفیدی زیادہ چمکتی ہے اور تھوڑی سی بھی بہت دکھائی دیتی ہے جیسے کہ تھوڑا سا پانی رات کو بہت اور زیادہ سفید نظر آتا ہے اور کرز میں ایسی چمکتی ہے کہ پانی نظر آتا ہے۔

(۳۷) وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناس خلق اے خضر
نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لیے[1]

ہم سب سے مانے جانے والے آدمی ایسے زندہ ہیں کہ تمام کو دکھائی دے رہے ہیں سب ہم کو پہچانتے ہیں، خضر کی طرح زندہ نہیں کہ آب حیات پی کر لوگوں سے چور بنا پھرتا ہے یعنی چھپا پھرتا ہے، خلاصہ یہ کہ نعمت وہی لطف دیتی ہے جو یاروں کے شامل برتی جائے جیسے کہ پنجابی مقولہ ہے "یاراں نال بہاراں ہیں" اور اکیلے اعلیٰ سے اعلیٰ نعمت نہایت بے لطف ہے جیسے کہ مثل ہے اکیلا روتا بھلا نہ ہنستا۔

(۳۸) ضعف سے گریہ مبدل بہ دم سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا[2]

(دیوان/۸۰)

واقعہ یہ ہے کہ فزکس یعنی علم طبیعات کا مسئلہ ہے کہ پانی گرمی پاکر بخارات و بھاپ بن کر اوپر چڑھ جاتا ہے

---

۱ - خضر کے آب حیات کا قصہ ہے، روشناس بمعنی سب کی جان پہچان

۲ - یہ فزکس یعنی علم طبیعی کا مسئلہ ہے کہ پانی بھاپ بہ شکل ہوا ہو جاتا ہے

اور زیادہ سے زیادہ اجزا میں پھیل کر ہوا ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح کثرت سے رو کر ضعف آ جاتا ہے اور آنسو خشک ہو جاتے ہیں پھر رونے میں آنسو نہیں نکلتے صرف ٹھنڈی آہیں نکلتی ہیں اور وہ جو اندر گرم خون تھا وہ آنکھوں کے رستے آنسو بن کر نکل چکا اس سبب سے ٹھنڈے سانس نکلتے ہیں (خواجہ غالب کو تمام علوم میں کمال تھا) ۔

نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے
اگر گل ہوں تو گلخن میں اگر خس ہوں تو گلشن میں[۱]

گل گلشن میں چاہیے اور خس یعنی تنکے بھٹی میں یہاں زمانے کے خلاف سے الٹا حال ہے کہ نیکوں کو ذلت اور بدوں کو عزت زمانے کے خلاف کی شکایت ۔

(۴۰) مری تعمیر میں مضمر ہے صورت اک خرابی کی
ہیولا برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

(دیوان/۴۸)

تعمیر سے مراد وجود ۔ مضمر بمعنی پوشیدہ و داخل ہیولی بمعنی مجسم شے ۔ دہقان نادانی اور جلدی اور کوشش سے منسوب کیا جاتا ہے ۔ دوکان داروں اور اہل حرفہ اور سوداگروں و غیرہ کے کارو بارہ اپنے اختیار میں ہوتے ہیں جس قدر جلدی اور کوشش کریں اسی قدر فائدہ ہے اور کسانوں کی کھیتی اپنے اختیار میں نہیں ، آسمانی اختیار میں ہے یعنی جب بارش ہو گی تب ہی بو دیں گے اور جلدی کرکے تھوڑی سی بوندوں میں بو دیں بیج بھی جاوے اور فصل بھی ۔ اور

---

۱ ۔ نیک کے واسطے گل اور بد کے لیے خس یعنی تنکا ۔

جب تک کھیتی اچھی طرح نہ پک جائے کاٹ نہیں سکتا ، اگر جلدی کاٹ لیوے تو اناج مرجھایا اور سوکھا نکلے - علی ہذالقیاس کسان جس قدر جلدی کرے اسی قدر اس کا نقصان ہے - پس خون گرم دہقان یعنی دہقان کی جلدی اس کے کھلیان پھونکنے کو بجلی کا شعلہ ہے - خلاصہ یہ کہ جلدی انسان کو خراب کرتی ہے کہ تعجیل کار شیاطیں بود -

(۴۱) غم فراق میں تکلیف سیر گل مت دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا

(دیوان/ ۶۵)

دوست و عزیز کی جدائی کے غم میں بڑی دل چسپ جگہ باغ کی سیر بھی بری لگتی ہے ، یہاں تک کہ گلوں کا ہنسنا جو نہایت مرغوب دل ہے ، مثل رونے کے ناگوار معلوم ہوتا ہے - سیر و تماشا بھی یاروں اور دل کی خوشی کے ساتھ ہی اچھا لگتا ہے ورنہ حسرت و افسوس ہے -

(۴۲) شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بردن صد دل پسند آیا

(دیوان/ ۶۶)

اس میں حرفی صنعت ہے یعنی "بت مشکل پسند" میں بھی دس حرف ہیں اور تسبیح کے شمار میں بھی دس دانے ہوتے ہیں اپنے لقب کے حرفوں کی تعداد اور صفات سے شمار کو پسند کیا یعنی جس طرح آپ ایک ایک وار میں سو سو دل کو اڑا لیتا ہے اسی طرح سبحہ کے سو سو دانے کو شمار کا ایک ایک دانہ اڑا لیتا ہے - ورد و وظیفے والوں کا دستور ہے کہ جب سو دانے کی پوری تسبیح پھیر لیتے ہیں تو شمار کا ایک دانہ

سرکا دیتے ہیں - انھیں شمار کے دانوں کے حساب سے بیسیوں تسبیح پھیر لیتے ہیں - چوں کہ ایک ایک ہاتھ میں سو سو دل کا اڑا لینا اس کثرت سے خوں ریزی بہت مشکل ہے اس واسطے مشکل پسند کہا اور حسن دلوں کا شکاری ہے، دلوں کو مفت کا مال سمجھتا ہے بقول وزیر:

کہتا ہے دل مرا کف رنگیں پہ رکھ کے یار
کیا مال مفت آیا ہے دردحنا کے ہاتھ

اور جو لوگ شمار سبحہ کے معنی تسبیح پھرانے کے لیتے ہیں وہ علاوہ صناعی اور مطلبی غلطی محاورے کی کرتے ہیں کہ محاورے سبحہ کے ساتھ گردانے اور پھرانے کے ہیں مثلاً: "اس کے نام کی سبحہ گردانی کرتا ہوں" تمھارے نام کی تسبیح پھیرتا ہوں - صنعت حرفی میں ان کا ایک شعر پہلے بھی نصیحتاً نہ اشعار میں آخر کا آچکا ہے اور تین حرف سے اصطلاح لعن کی اور چار حرف سے لعنت کی عام اشعار میں بہت ہے - دیوان ظفر کی رد میں پوری غزل ہےاسی صنعت میں اوصاف کا یہ شعر ہے -

آرسی میں عکس اپنا دیکھ کر لائے غرور
چار دن کی زندگی میں خود نمائی کر گئے

آرسی میں چار حرف ہیں اس خوبی سے اگلے مصرع میں چار دن کہا - چار حرفی آرسی زبان حال سے بتا رہی ہے کہ میرے حرفوں کی تعداد کے موافق تیرا حسن جوانی چار دن کا ہے اس پر غرور عبث ہے -

(۴۳) گرنی تھی ہم پہ ، برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر
(دیوان/۹۳)

انسان خود ذات باری ہے اور (اس میں) سما گیا ہے اور کوہ طور پر اس نے ذری اپنے نور کی تجلی ڈالی تھی وہ کم ظرفی سے جل گیا - پس اس کی تجلیات بلکہ خود اس کی ذات کو اپنے میں سما لینے والا انسان ہی ہے اور کو اس کی ذری سی بھی چمک کی تاب نہیں - بقول درد :

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

(۴۴) غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
(دیوان/۱۱۱)

آزاد لوگ دنیاوی سامان کے نہ ہونے سے غرض نہیں رکھتے ، اگر کچھ دل میں خیال آ کر غم ہونا ہوتی ہے ، اس غم کے گھر کو وہ بجلی کی چمکارے سے روشن کر لیتے ہیں یعنی جانتے ہیں کہ زندگی کا عرصہ بہت قلیل ہے جیسے کہ بجلی کا چمکا - پس بجلی کی چمک دیکھ کر زندگی کی ناپائداری کا خیال کرکے غم کے اندھیرے کو روشن کر لیتے ہیں گویا بجلی ہی ان کے اندھیرے کی روشنی ہے کہ اس کی ناپائداری سے ان کا غم دور ہوتا ہے -

(۴۵) ضعف سے ہے ، نے قناعت سے یہ ترک جستجو
ہیں وبال تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم
(دیوان/۱۰۱)

تلاش مال اور مرتبے کا ترک کرنا ، نامردی اور ناتوانی اور نادانی سے ہے جس کا نام دل کی تسلی کے لیے قناعت اور توکل رکھ لیا ہے ۔ قناعت اور توکل کے بہانے سے ہم مردانہ ہمت کے آسرے کا وبال بن گئے ہیں یعنی قناعت سے کم ہمت اور نامرد بن کر سست اور نکمے نہ ہونا چاہیے بلکہ مردانہ ہمت کرکے ہر امر میں تلاش اور کوشش کرنی چاہیے ۔ کسی پر اپنا بوجھ ڈالنا نامردوں کا کام ، اور اوروں کا بوجھ اپنے سر پر لینا عالی ہمت مردوں کا کار ہے ۔

(۴۶) دشمنی نے میری کھویا غیر کو
کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے

(دیوان/ د ۲۰۵)

انسان کی اصلی غرض دوست یعنی خدا کا حاصل کرنا ہے مگر انسان نے اس اصلی مطلب کو جہالت سے فوت کیا کہ انسانوں کی دشمنی میں الجھ گیا ۔ اس الجھاؤ اور عداوت و دشمنی میں پڑ کر دوست کی طلب اور ملاقات سے محروم رہا اور اگر چشم معرفت ہوتی تو دوست کی طلب و تلاش کے سوا اور طرف دھیان نہ کرتا اور کسی کو دشمن نہ جانتا بلکہ دشمن کو بھی دوست ہی جانتا ، بقول درد :

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ

جب کہ سب چیز میں دوست ہے تو کوئی بھی غیر اور دشمن نہیں بقول ناسخ :

صفحۂ ہستی میں صورت ہی نہیں اغیار کی
ہر مرقع میں ہیں تصویریں بس اپنے یار کی

(۴۷) ہے بارے اعتماد وفاداری اس قدر
غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ نا مہربان ہے
(دیوان/ ۱۶۴)

دوست جو ہمارے پر نا مہربان ہے یعنی جورو جفا کرتا رہتا ہے اس میں اس کو ہماری وفاداری کا پورا پورا بھروسہ ہے کہ ہمارے ہر جورو جفا بخوشی سہے گا ۔ اس لیے ہم اس کے جورو جفا بخوشی سہتے ہیں کہ شکر ہے اس کو ہماری وفاداری کا پورا بھروسا ہے ۔

(۴۸) گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے
(دیوان/ ۱۶۷)

جب کہ عام فہم یہ بات ہوگئی کہ جو شخص راز عشق رکھتا وہ خاموش رہتا ہے تو خاموشی میں اخفائے راز نہ ہوا بلکہ افشائے راز ہوا ۔ اس نازک خیالی سے میں بولتا رہتا ہوں تاکہ کسی کو اخفائے راز کا گمان نہ گزرے پس میرا بات کرنا عام سمجھ کے نزدیک حال کا چھپانا ہے اس وجہ سے میں بولنے اور بات کرنے میں خوش ہوں کہ میرا مطلب سمجھنا بہت مشکل ہے کہ بھید چھپانے کو بولتا رہتا ہوں ۔ اس مضمون کی تائید میں انہیں کا یہ شعر ہے ۔

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے
(دیوان/ ۱۸۵)

مومن مت پوچھ کہ کس واسطے چپ لگ گئی ظالم
کچھ حال ہی ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

یعنی خاموشی کی حالت کہہ رہی ہے کہ کچھ راز عشق کا اخفا ہے ۔

(۴۹) عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنوں کو برا کہتی لیلیٰ مرے آگے

(دیوان/۲۲۱)

محبوب اس بات میں خوش ہے کہ سوائے عاشق اور معشوق کے کوئی ان کے عشق سے واقف نہ ہو ، سو یہ بات ہمارے میں ہے کہ ہجر و غم کے ہزارہا صدمے جھیلتے ہیں ۔ پر اس راز کی کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے اور سب عاشقوں میں نامی مجنوں گزرا ہے مگر اس سے صدموں کی برداشت نہ ہو سکی ، چلا اٹھا اور جنگلوں میں دیوانہ ہو کر لیلیٰ لیلیٰ کہہ کے اپنی مٹی اٹھائی اور پردہ نشین لیلیٰ کی خاک اڑائی ۔ اس راز کی پاسداری سے لیلیٰ مجھ کو عشق میں اچھا اور مجنوں کو برا کہتی ہے ۔ بھید چھپانے والے کی بڑی قدر اور ہیبت ہوتی ہے ۔

(۵۰) تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ، ہوا[1]

(دیوان/۶۱)

---

۱ - ہم متکلم ہے - اور غالب کو غائب جانا ہے مراد دونوں جگہ غالب سے ہے -

مذاق اس میں ہے کہ عاشق کو اپنے پرزے اڑتے دیکھنا ایک آسان کھیل اور عمدہ تماشا ہے کہ قاتل کی صورت تو دیکھیں گے اور تلوار کے مزے لیں گے ۔

(۵۱) بوئے گل نالۂ دل دود چراغ محفل[1]
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

(دیوان/۴۴)

خدا نے دنیا اپنی ایک ایسی دل چسپ محفل لگائی ہے جو شے یہاں سے جاتی ہے ، روتی چلاتی اور پریشان جاتی ہے ۔ مرنا اس واسطے کٹھن ہے کہ اس کی بزم دنیا چھوٹتی ہے جیسے کہ ناسخ کا بھلا یہ عارفانہ شعر گزرا ۔

طرفہ گل اس باغ میں ہے اور شبنم ہے عجیب
ہنس کے بیٹھا جو تیری محفل میں وہ رو کر اٹھا

(۲)

دوسرا چمن " اشعار محاورات میں " ہے اس کے آغاز میں مولف نے لکھا ہے :

"ابتدا اردو زبان کی شاہ جہاں شاہ دہلی کے عہد سے ہے اور شاہ عالم ثانی کے عہد میں یہ مشہور شاعر دہلوی صاحب دیوان مستند استاد ہوئے ہیں جن سے اردو زبان کا زور و شور ہوا ۔ میر تقی ، میرزا رفیع السودا ، خواجہ میر درد ، ان کے بعد غلام ہمدانی مصحفی انشاء اللہ خاں ، قلندر بخش جرأت ، پیور

---

۱ ۔ سب کو پریشان میں شامل کیا ہے ۔

بہت سا اکبر شاہ ثانی کے زمانے سے ظفر کے زمانے تک ۔ اردو کو ان مستند اساتذہ صاحب دیوان ابراہیم ذوق ، میرزا اسداللہ غالب ، حکیم مومن خاں ، شاہ ظفر دہلوی ، اور امام بخش ناسخ و حیدر علی آتش لکھنوی نے مانجھا ہے اس لیے اشعار محاورات ان مستند اساتذہ کے بہ ترتیب لیے گئے ۔ اور چونکہ اردو زبان دہلی لال قلعے کی فصیح تھی ۔ خاص کر اس میں شاہزادوں کی بموجب اس کے کہ کلام الملوك ملوك الكلام اس لیے شاہ ظفر کا کلام زیادہ لیا گیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دیوان ظفر دراصل شاہ ظفر کے استاد کامل حضرت ذوق کا ہے کیونکہ انہوں نے اکثر آپ غزلیں کہہ کے شاہ ظفر کا تخلص ڈال دیا ہے جیسا کہ آب حیات میں مذکور ہے اور باقی غزلیں ان کی اصلاح سے ہیں ......"

بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیرپا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

(دیوان/۱۴)

موئے آتش دیدہ کنڈلی دار بال کو کہتے ہیں جیسا کہ ناسخ کے اس شعر سے ثابت ہے :

(۵۲) ہجر میں میرا بدن کاہیدہ ہے
سوزغم سے موئے آتش دیدہ ہے

اس وجہ سے یہاں موئے آتش دیدہ سے مراد زلف کے کنڈلی دار بال ہیں جو روئے آتشیں کی سینک سے مڑ گئے ہیں۔

---

۱ - موئے آتش دیدہ - آگ کی سینک لگا ہوا بال ، مراد زلف کا کنڈلی دار بال جو آتشین رخ کی سینک سے مڑ گیا ہے ۔

ہم زلف کے سودا میں سودائی ہو کر قید میں آئے تو یہاں بھی بانو کی زنجیر کنڈلی دار زلف کی صورت ملی - اس لیے ہم یہاں بھی زلف کی زنجیر میں اسیر بے قرار ہیں بقول ظفر :

اور سودا ہوگا افزوں، یاد آئے گی وہ زلف
لاؤ مت آہن گرو زنجیر میرے رو برو

(۵۳) نہ آئی سطوت قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
لیا[1] دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا

(دیوان/۴۷)

نیستان بمعنی بانسوں کا پیڑ - نیستان کا ریشہ ہونے سے مراد الغوزہ مثل بنسری بن جانا جیسے کہ الغوزے سے نالے کی آواز نکلتی ہے اسی طرح تنکے سے آواز نکلی -

(۵۴) دکھاؤں گا تماشا ، دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو[2] چراغاں کا

(دیوان/۴۷)

فرصت کے لفظ میں یہ خوبی ہے کہ سرو چراغاں ہمیشہ روشن نہیں ہوتا صرف محرم کے عشرے میں اس کی روشنی کا تماشا ہوا کرتا ہے اور یہ روز غمی کے کہلاتے ہیں - اسی طرح ہمارا دل ماتم سرا کا سرو چراغاں ہے اگر ہمارا یار کسی موقع پر دیکھنا چاہے گا تو دکھلاویں گے -

---

۱ - دانتوں میں تنکا لینا - جان کی پناہ یا امان چاہنا - رحم دلانے کو عاجزی کرنا کہ میں تیری کالی گوؤ ہوں

۲ - سرو چراغاں - ایک لوہے کا جھاڑ ہوتا ہے جس میں صدہا لوہے کے دیئے بنے ہوتے ہیں - جن میں تیل بتی ڈالتے ہیں -

(۵۵) نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی[1] ہوا ہوگا
قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا میری[2] مژگاں کا

(دیوان/۵۸)

کس کس سے مراد دل اور جگر ہیں کہ آنسواں کے خون سے بنے ہیں۔

(۵۶) قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا[3] ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

(لڑکوں کا دیوان/۶۱)

اس شعر میں گریہ کا مبالغہ ہے ، دیدۂ بینا بمعنی عارف کی آنکھ۔ عارفوں کو ایک دانے میں خرمن اور قطرے میں دریا یعنی جزو میں کل نظر آتا ہے کہ جزو ہی سے بڑھتے بڑھتے اس کا کل بن جاتا ہے۔ یہ شعر ذوق کے اس شعر کے مضمون پر ہے جس کی شرح ذوق کے عارفانہ شعر میں گزری[4]

(۵۷) سرمۂ مفت نظر[5] ہوں، مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا

---

۱ - لہو پانی ہونا - سخت مصیبت جھیلنا رنج و غم میں جان کھپانا۔

۲ - اصل میں 'میری' ہی ہے مگر تیری مژگاں ہونا چاہیے اور اس صورت میں شارح کا مفہوم باطن ہو جائے گا۔

۳ - لڑکوں کا کھیل - بہت آسان کام سمجھنا ، سر سری جاننا۔

۴ - ذوق :

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو
جز میں آتا ہے نظر کل کا تماشا ہم کو

۵ - سرمہ مفت نظر - وہ سرمہ جو سرمہ فروش بانگی کے طور پر ایک دو سلائی لگانے کے واسطے خریدار کو مفت دیتا ہے مراد مفتی نعمت -

مفت چیز کا احسان مول کی چیز سے بھاری ہے اور بیش قیمت ہے مذاق یہ ہے جس خریدار کو سرمہ فروش ایک دو سلائی بطور بانگی کے مفت دیتا ہے وہ اس مفت کے احسان میں دب کر کچھ نہ کچھ خرید ہی لیتا ہے -

(۵۸) لو ہم مریض عشق کے بیماردار ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا[1] علاج

بیمار دار - بیمار کے علاج کرنے والے کو اور ٹہل کرنے والے کو کہتے ہیں - مطلب یہ ہے کہ عشق کا مرض مسیحا سے بھی نہیں جاتا ثبوت یہ کہ بت پرستوں کو بتوں کے عشق سے ہر چند بڑے بڑے معجزے دکھا کر ہٹایا مگر وہ نہ ہٹے یعنی ان کا مرض عشق نہ گیا - بلکہ مریض عشق ہی ان کی جان کے دشمن ہو گئے یعنی سولی دینے لگے یہ مشکل سے جان بچا کر چوتھے آسمان پر جا چڑھے - ذوق :

چرخ پہ بیٹھا رہا جان بچا کر عیسیٰ
ہو سکا جب نہ مداوا ترے بیماروں کا

(۵۹) دا حسرتا کہ یار نے کھینچا[2] ستم سے ہاتھ
ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر

(دیوان/ ۹۲)

جب قاتل نے دیکھا کہ میرے قتل سے مقتولوں کو لذت آتی ہے تو قتل ہی چھوڑ دیا ہے یعنی اس کو اپنے شوق

---

۱ - کیا علاج - کیا مزا -
۲ - ہاتھ کھینچنا - ہٹ جانا بند ہو جانا -

سے سروکار نہیں - ہماری بے لطفی و محرومی و ایذا سے کار ہے- کس لطف سے قاتل کو قتل سے ہٹا کر اپنی قوم کو بچایا ہے -

(٦٠) اچھل[1] کے دیکھ نہ چل اس قدر تو اے سرکش
کہ تیرے ساتھ ہے فوارہ سان نشیب و فراز
(یہ شعر دیوان غالب میں نہیں ہے)

جس طرح فوارے کا پانی اوپر چڑھ کے نیچے آ پڑتا ہے اسی طرح سرکش اچھل کے سر کے بل گر جاتا ہے -

ایسا آسان نہیں لہو رونا[2]
دل میں طاقت جگر میں حال کہاں
(دیوان/۱۱۳)

رونے کے واسطے دل میں طاقت اور جگر میں حال یعنی وجد کی طاقت ہونی چاہیے - جب یہ نہ ہوں رویا نہیں جاتا یعنی اب ایسے ناتواں ہو گئے ہیں کہ رونے کی بھی طاقت نہیں رہی -

(٦٢) سر[3] کھجاتا ہے جہاں زخم سر اچھا ہوجائے
لذت سنگ باندازۂ تقریر نہیں
(دیوان/۱۲۰)

---

۱ - اچھل کر چلنا- اپنی بنیاد سے بڑھ کے چلنا اپنی حیثیت سے بڑھ کر چلنا -

۲ - لہو رونا - نہایت زار زار رونا ، اندوہ و غم میں ایسا رونا کہ سرخ آنسو ٹپکنے لگیں -

۳ - سر کھجانا - پٹنے کو جی چاہنا ، زخمی ہونے کی خواہش کرنا -

عشق کے پتھر کی چوٹ میں وہ مزا ہے کہ بیان نہیں کیا جاتا اگر اچھا ہو جاتا ہے تو پھر چوٹ کھانا چاہتا ہے -

(٦٣) کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ[1]
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

(دیوان/١٢٢)

زندگی قائم رکھنے کے لیے امید کو پیش نظر رکھتے ہیں اور ہم زندگی سے بیزار ہیں اس کے ایسے امیدواروں کی انتظاری کے عذاب کیوں دیکھیں - الانتظار اشد من الموت -

(٦٤) دل نہ دوں اپنا کبھی میں تیرے کافر ہاتھ میں
تو کلام اللہ[2] بھی گر آئے لے کر ہاتھ میں

(یہ شعر دیوان غالب میں نہیں ہے)

تو دل کو لے کر صاف مکر جانے والا ہے اس ایسے قسم و سوگند سے تیرا اعتبار نہیں - سنگدلی کی رو سے کافر کہا اور کافر کو قرآن پر ایمان نہیں ہوتا جب اس کو اس پر خود ایمان نہ ہو تو دوسرا اس کی اس قسم پر جس پر اسے خود ایمان نہیں کیوں کر ایمان لاوے -

(٦٥) رو[3] میں ہے رخش عمر کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

(دیوان/١٢٥)

---

١ - امید پر جینا - تنگ دستی میں فراغتی اور غمی میں خوشی کی امید پر دل کی تسلی کرنا - تسلی دینے کے موقع پر بولتے ہیں

٢ - کلام اللہ ہاتھ میں لے کر آنا - قران شریف کی قسم کھانا -

٣ - رو میں ہونا - گھوڑے کا سرپٹ دوڑنا -

عمر کا گھوڑا سرپٹ جا رہا ہے نہ تو سوار کے ہاتھ میں باگ ہے اور نہ پانو رکاب میں جس سے روکے یعنی کوئی اختیار نہیں ہے منزل موت پر ہی جا کر تھکے گا یعنی ٹھہرے گا -

(٦٦) جو آؤں سامنے ان کے تو مرحبا نہ کہیں
جو جاؤں واں سے کہیں کو تو خیر[1] باد نہیں

(دیوان/۱۳۳)

مسلمانوں میں رسم ہے کہ جب مہمان یا کوئی سفر سے آتا ہے تو مرحبا کہتے ہیں اور جب جاتا ہے تو خیر باد کہتے ہیں - یہاں آنے کی خوشی اور نہ گئے کا غم -

(٦٧) تیری فرصت کے مقابل اے عمر
برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں[2]

(دیوان/۱۳۳)

جب پانو کو حنا لگاتے ہیں - تو چلتے پھرتے نہیں ایک جگہ ٹکے بیٹھے رہتے ہیں اس واسطے پا بہ حنا کے معنی ٹکے ہوئے کے ہیں یعنی عمر ایسی تیز رفتار ہے کہ اس کے مقابل میں بجلی کو قیام معلوم ہوتا ہے یعنی بجلی تو کچھ دکھلائی بھی دیتی ہے یہ دکھلائی بھی نہیں دیتی اور جھٹ پٹ گزر جاتی ہے -

---

۱ - خیر باد - کلمہ دعائیہ ، کسی عزیز کو رخصت کے وقت کہتے ہیں -

۲ - باندھنا - شعر میں لانا ، نظم میں لانا ، کسی سے تشبیہہ دینا -

(۶۸) کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے[۱] چلا کیے

(دیوان/۱۷۴)

عاشقانِ خدا پر ہمیشہ تہمتیں اور جور و جفا ہوتے چلے آئے ہیں دیکھو حضرت زکریا پیغمبر کو آرے سے چروایا منصور کو سولی چڑھایا ، شمس تبریز کی کھال اتروئی ۔

(۶۹) ہاں بھلا کر[۲] ترا بھلا ہوگا
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے[۳]

(دیوان/۱۸۲)

اپنی بہبودی کی دعا مانگنا اور لوگوں سے منگوانا کچھ فائدہ نہیں ، فائدہ مند اگر ہے تو یہی بات ہے کہ اگر تو اپنا بھلا چاہے تو کسی کا بھلا کر اس کے عوض میں ضرور تیرا بھلا ہوگا ۔

(۷۰) لکھتے رہے جنوں کی حکایت خوں چکاں
ہرچند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے[۴]

(دیوان/۱۸۷)

---

۱ - آرے چلنا - آفتیں مصیبتیں جھیلنا ، زخم ، صدمے رنج اٹھانے ۔

۲ - کر بھلا ہو بھلا - ہر ایک سے بھلائی اور نیکی کرنے کی نصیحت پر بولتے ہیں ۔

۳ - اصل میں دوسرا مصرع غلط لکھا گیا ہے ، یوں ہونا چاہیے :

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا
اور درویش کی دعا کیا ہے

۴ - قلم ہونا - کٹنا ۔

اس شعر کا مطلب بھی وہی ہے جو پچھلے ۶۱ویں شعر میں سر پر آرے چلنے کا ہے -

خستگی کا تم سے کیا شکوہ کروں (کیا شکوہ کہ یہ
ہتھکنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے[1] [illegible] ۲۰۰)

سیاہ رنگ آدمی کی برائی میں کہا کرتے ہیں کہ جیسے یہ اوپر سے سیاہ ہے ویسا ہی اندر سے ہے پس آسمان اندر باہر سے سیاہ ہمارا دشمن ہے جس نے ہم کو تم سے زخمی کرایا -

(۷۲) اسد خوشی سے مرے ہاتھ پانو پھول گئے[2]
کہا جو اس نے ذرا میرے پانو داب تو دے
(دیوان/۲۰۹)

جب اس عزیز نے مجھے اپنے پانو دبانے کی خدمت کو کہا تو مجھے شادی مرگ ہو گئی کہ میرے کم بخت ہاتھ پانو پھول گئے، اگر مراد کو پہنچا تو بدقسمتی دیکھو کہ مراد ہاتھ آنے سے رہ گئی -

(۷۳) اے پر تو خورشید جہاں تاب ادھر بھی
سائے کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے[3]
(دیوان/۲۳۵)

سایہ سیاہ ہوتا ہے اور جس پر وقت پڑتا ہے وہ بھی

---

۱ - ہتھکنڈے - چالاکیاں ، داؤگھات فند و فریب -
۲ - ہاتھ پانو پھول جانا - خوشی یا خوف کے مارے ہاتھ پانو کا بیکار ہو جانا - ہاتھ پانو کا نہ چلنا - غالب کا دوسرا تخلص اسد تھا -
۳ - وقت پڑنا - آفت پڑنا ، مصیبت پڑنا -

رنج و غم سے سیاہ پڑ جاتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خدا کا
پرتو اپڑ جائے تو ہم بھی روشن ہو جائیں ۔

(۴۷) واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی[1]

(دیوان/۲۳۶)

واعظ ، زاہد وغیرہ بہشتی شراب طہور کی تعریف ایسے
مبالغے سے کرتے ہیں کہ سن کر منہ میں پانی بھر آتا ہے مگر
یہ خیالی پلاؤ ۔

اس طرح اس کتاب میں (۴۷) اشعار کی شرح ملتی ہے ،
بعض اشعار کا مطلب شارح نے غلط بھی بیان کیا ہے اور بعض
جگہ سیدھا اور سامنے کا مفہوم چھوڑ کر دور از قیاس مطلب
پیدا کیا ہے ، لیکن مجموعی طور پر یہ شرح ابیات دلچسپ ہے
اور اس سے یہ اندازہ کرنا چاہیے کہ خود غالب کے ہم عصر
اور قریب العہد لوگ اس کے کلام کو کس طرح سمجھتے
تھے اور لفظی و معنوی خوبیوں کی کنہ کو کہاں تک
پہنچے تھے ۔

(فروری ۱۹۶۹ع)

---

۱ - کیا بات ہے ، طنزاً کیا تعریف ہو سکتی ہے ۔ کیا کہنے
کیا خوب واہ واہ مراد یہ کہ کچھ بھی نہیں ، دھوکے کی بات ہے،
فرضی اور خیالی پلاؤ ہے ۔

دیوان غالب : نسخۂ امروہہ

(خود غالب کے قلم سے لکھا ہوا نادر مخطوطہ)

دریافت کی کہانی :

برصغیر کے طول و عرض میں ابھی غالب کی صد سالہ برسی منانے کا سلسلہ جاری تھا کہ ۵ اپریل ۱۹۶۹ع کو میرے ایک ہم وطن جناب توفیق احمد چشتی قادری ، جو پرانی اشیاء اور قلمی کتابوں کا کاروبار کرتے ہیں ، کتابوں کی کھوج میں بھوپال پہنچے اور اُن کے ایک ہم پیشہ نے بعض اور کتابوں کے ساتھ ہی "دیوان غالب" کا ایک نادر روزگار نسخہ یہ کہہ کر دیا کہ "میاں کیا یاد کرو گے تمہیں مرزا غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان دے رہا ہوں ، مگر اس کی قیمت ۲۵ روپے سے کم نہیں لوں گا !" توفیق احمد صاحب نے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے مول بھاؤ شروع کیا اور معمولی ردوکد کے بعد گیارہ روپے میں اس در یتیم کو خرید لیا - ۵ اپریل ۱۹۶۹ع کو انہوں نے یہ نسخہ خریدا اور اُسی دن دہلی کے لیے روانہ ہوگئے - خود خریدار کو بھی اس بے بہا نسخے کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ نہیں تھا ، اُس نے ۷ اپریل ۱۹۶۹ع کے اخبار الجمیعۃ ، دہلی میں اشتہار دیا کہ میرے پاس غالب کے اپنے قلم سے لکھا ہوا نسخہ موجود ہے ، جو حضرات خریداری میں دل چسپی رکھتے ہوں وہ مجھ سے خط و کتابت کریں - اشتہار میں خاص طور سے نام لے کر حکیم عبدالحمید صاحب

دہلوی (متولی ہمدرد دواخانہ) کو متوجہ کیا گیا تھا ، اس لیے کہ انھوں نے اسی سال بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی میں ، مزار غالب کے متصل ، تقریباً دس لاکھ روپے کے خرچ سے غالب اکیڈمی قائم کی ہے ، اور اس کی مختصر مگر خوب صورت عمارت بنوائی ہے ، جس کا افتتاح ۲۲ فروری ۱۹۶۹ء کو صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین کے ہاتھوں عمل میں آچکا ہے - مالک نسخہ کا خیال تھا کہ اس کتاب کی واقعی قیمت حکیم صاحب موصوف ہی سے مل سکتی ہے - اشتہار کے آخر میں اس نسخے کی قیمت کا تعین بھی کر دیا گیا تھا کہ "کم از کم چھ ہزار روپے ہو گی" - لیکن بہت سے لوگوں نے اس اشتہار کو دیکھ کر باور نہیں کیا اور اسے مذاق یا جعل سازی سمجھا ، چنانچہ غالب اکیڈمی کے ذمہ داروں نے بھی توفیق احمد صاحب سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اور انھیں اصل نسخہ دیکھے بغیر یہ اطمینان حاصل رہا کہ کسی جعل ساز نے غالب صدی کے موقع پر یہ "ہنر" دکھانے کی کوشش کی ہے - میرے استفسار پر اکادمی کے ایک ذمہ دار رکن نے بتایا کہ "اشتہار دیکھنے کے باوجود ہم نے مالک نسخہ کو اس لیے نہیں بلایا کہ دہلی سے امروہہ تک کا کرایہ خواہ مخواہ ادا کرنا پڑے گا" - (اور یہ کرایہ ساڑھے تین روپے سے بھی کم ہوتا ہے !)

مجھ سے بعض دوستوں نے اخبار 'الجمعیۃ' دہلی کے اس اشتہار کا تذکرہ کیا تو فوری طور پر مجھے بھی یقین نہیں آیا اور یہ گمان ہوا کہ غالب کا خط پہچاننا ہر شخص کا کام نہیں ہے ، نسخہ کسی اور کا لکھا ہوا ہو گا - لیکن اس بدگمانی پر مطمئن ہو جانا میں نے گوارا نہ کیا اور مالک نسخہ کو خط

لکھ کر یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ نسخہ لے کر دہلی آئیں اور مجھ سے ملیں ، یا مجھے کوئی تاریخ اور وقت بتائیں تا کہ میں خود اُن کے پاس پہنچ کر یہ نسخہ دیکھ سکوں ۔ ادھر میں نے خط لکھا (۱۰ اپریل) ادھر اسٹیٹ آرکائوز الہ آباد کے ایک کارکن امروہہ آئے ہوئے تھے ، انھوں نے یہ نسخہ دیکھا اور غالب کے خط کی شناخت کر کے پریس ٹرسٹ آف انڈیا کو ایک مختصر سی خبر بھیج دی جو انگریزی اخباروں میں اس طرح شائع ہوئی :

Rare poems by Ghalib found

LUCKNOW, April 16 (PTI).

"A rare collection of Ghalib's gazals written in his own hand has been found with a dealer in old manuscripts, Taufiq Ahmed of Amroha.

An official of the UP Archives, Allahabad —about 1,000 verses—said no such collection of the poet's works had been found before.

He said the collection, which included 13 Persian and 11 Urdu 'rabais,' appeared to be Ghalib's work up to the age of 23. About 100 verses in it had been scored off by the poet himself.

یہ اطلاع ۱۷ اپریل ۱۹۶۹ء کو انگریزی ، اردو ، ہندی اور دوسری زبانوں کے اخبارات میں چھپی اور آل انڈیا ریڈیو نے اپنے خبرنامے میں نشر کی ۔ اسی دن توفیق احمد

صاحب یہ نسخہ لے کر میرے پاس دہلی پہنچے اور میں نے خبر کی اشاعت کا حال اُن سے بیان کیا - اپنے تھیلے سے نسخہ نکال کر جس وقت اُنھوں نے میرے سامنے رکھا ، میں نے پہلی ہی نگاہ میں اسے شناخت کر لیا کہ واقعی یہ غالب کا خط ہے اپنی مختصر سی زندگی میں مجھے بہت کم کتابوں کی زیارت سے اتنی خوشی ہوئی ہے جتنی اس قلمی نسخے کو دیکھ کر حاصل ہوئی - توفیق احمد صاحب نے ازراہ عنایت مجھے اس نسخے سے استفادے کی اجازت دی اور میں نے اسی دن ایک خط 'ہماری زبان' (علی گڑھ) کے ایڈیٹر کو لکھا جس میں تصدیق کی گئی تھی کہ اخباروں میں جو خبر شائع ہوئی ہے وہ درست ہے ، یہ نسخہ میں نے دیکھا ہے ، اس میں کچھ شک نہیں کہ غالب ہی کے قلم سے لکھا ہوا ہے - اس کی لوح اور ترقیمے کی عبارت بھی مراسلے میں درج کر دی گئی تھی - 'ہماری زبان' کی یہ اطلاع ، پہلی باضابطہ خبر تھی جو کسی کے نام سے چھپی اور جسے پڑھ کر اہل علم کے دل سے شکوک اور بدگمانی کا اثر زائل ہوا - یہ مراسلہ ۲۲ اپریل ۱۹۶۹ع کے 'ہماری زبان' میں چھپا اور اگلے دن ۲۳ اپریل ۱۹۶۹ع کے اخبار الجمعیتہ دہلی میں دوسرا مراسلہ ''غالب صدی کی سب سے زیادہ گراں قدر دریافت : دیوان غالب نسخہ امروہہ'' کے عنوان سے شائع ہوا - آج پہلی بار اس نسخے کا تفصیلی تعارف لکھ کر ''تلاش غالب'' میں اشاعت کے لیے بھیج رہا ہوں -

یہ تو اس نسخے کے دریافت ہونے کی کہانی تھی - آج ممکن ہے غیر ضروری سی معلوم ہو - لیکن آئندہ غالب پر تحقیق کرنے والوں کے لیے میں نے اسے محفوظ کر دینا مناسب سمجھا - اب اس نسخے کی ظاہر کیفیت عرض کرتا ہوں -

(الف) نسخے کی کیفیت :

دیوان غالب کا یہ نادر مخطوطہ ۲۰۳ اوراق پر مشتمل ہے - اس کا سائز "5¼ × "7¼ ہے صرف ورق ۱ - ب پر عنوان شنگرفی روشنائی سے لکھا ہوا ہے باقی مخطوطہ سیاہ روشنائی سے خط شکستہ شفیعاً آمیز میں ہے ، شروع میں اکثر غزلوں کے مقطع میں تخلص کی جگہ چھوڑ دی ہے غالباً شنگرفی سے لکھنے کا ارادہ ہوگا ، لیکن وہ کبھی لکھا ہی نہیں گیا - کاغذ عمدہ اور دبیز ہے حیرت یہ ہے کہ ۱۵۰ سال تک یہ کسی ایسی جگہ محفوظ رہا ہے کہ کرم خوردگی یا آب زدگی کا کوئی نشان اس پر نہیں ہے - پورا مخطوطہ بالکل محفوظ اور صاف حالت میں ہے حاشیوں کی چند غزلیں جو بعد میں کسی اور قلم سے اضافہ ہوئی ہیں ، ان کے بعض اشعار جلد بندی میں کٹ گئے ہیں - غالب کے قلم سے لکھا ہوا ایک ایک لفظ صاف پڑھا جاتا ہے - ہر صفحے پر اوسطاً ۲ کالم ہیں اور ہر کالم میں تقریباً ۹ سطریں مکتوب ہیں - لیکن تمام نسخے میں کالم یا سطروں کی کوئی پابندی نہیں ہے - بعض صفحوں پر اشعار کو مثمن یا مربع شکل میں بھی لکھا ہے - کچھ اوراق کا سائز نسبتاً بڑا ہے اور ان کے کنارے مڑے ہوئے ہیں ان مڑے ہوئے کناروں پر کسی دوسرے خط سے نئی غزلیں اضافہ کی گئی ہیں جن کی فہرست آگے دی جا رہی ہے -

اس نسخے کی ابتدا ورق الف - ب سے ہوتی ہے - اس کی لوح پر لکھا ہے :

یا علی المرتضیٰ علیہ و علی اولاد الصلوٰۃ والسلام
یا حسن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یا حسین
ابوالمعانی میرزا عبدالقادر بیدل رضی اللہ عنہ

یہ پوری عبارت شنگرفی روشنائی سے لکھی ہے اس کے بعد مطلعِ سر دیوان :

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

ورق ۶۱ - الف تک غزلیات ہیں ان کے خاتمے پر لکھا ہے : "تمام شد غزلیات بعونہ تعالیٰ" - پھر اسی صفحے پر بائیں ہاتھ کو "عنوان صحیفہ رباعیات" لکھ کر پہلے فارسی کی تیرہ رباعیاں درج کی ہیں ، ان میں صرف مندرجہ ذیل ایک رباعی کلیات نظم غالب (مطبوعہ نولکشور ص ۳۰۰) پر ملتی ہے، باقی بارہ غیر مطبوعہ ہیں (ملاحظہ ہو : فہرست) مطبوعہ رباعی یہ ہے :

شاہیم و جنونِ ما ز تمکیں دلتنگ
داریم بہ بحر و بر ز وحشت آہنگ
مرجاں درویم زارۂ پشت نہنگ
ہرکوہ ز نیم سکہ از داغِ پلنگ

اس میں بھی یہ اختلاف ہے کہ کلیات نظم میں پہلا مصرع یوں ہے :

شاہیم زبانہ افسر داغ اورنگ

ورق ۶۲ ب سے اردو رباعیات بغیر جدا گانہ عنوان کے شروع ہو گئی ہیں ۔ ان کی تعداد گیارہ ہے ۔ دیوان میں فارسی رباعیات کے شمول سے میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ اس دیوان کی ترتیب کے وقت (۱۲۳۱ھ) تک غالب نے باقاعدہ فارسی

گوئی شروع نہیں کی تھی ، کبھی کبھار منہ کا مزا بدلنے کو کچھ کہہ لیتے ہوں گے ۔ ان کا سب سے پہلا فارسی کلام یہی رباعیات ہیں جو انہوں نے دیوان اردو کے آخر میں درج کر دیں ۔ بعد میں جب وہ باقاعدہ فارسی دیوان فراہم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ اردو دیوان نظری کر چکے تھے لہذا اس میں مندرج فارسی رباعیات بھی دیوان فارسی میں شامل نہ ہو سکیں ۔ ممکن ہے مندرجہ بالا ایک رباعی انہوں نے دائلے کی تحویل میں ، یا کسی اور بیاض میں رکھ چھوڑی ہو ، اور وہاں سے کلیات نظم فارسی میں شامل کر لی ہو ۔ نسخہ امروہہ کی اردو رباعیات سب مطبوعہ ہیں ۔ اگرچہ بعض لفظی اختلافات ہیں ۔ یہ رباعی جو سب سے آخر میں ہے البتہ غیر مطبوعہ ہے (ملاحظہ ہو عکس ورق ۹۳ ۔ الف) ۔

گلخن شرر اہتمام بستر ہے آج
یعنی تب عشق شعلہ پرور ہے آج
ہوں درد ہلاک نامہ بر سے بہار
قارورہ مرا خون کبوتر ہے آج

اس رباعی کے معاً بعد ترقیمہ :

"تمت تمام شد ، بتاریخ چہار دہم رجب المرجب یوم سہ شنبہ ، سنہ ہجری وقت دوپہر روز باقیماندہ فقیر بیدل اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ متخلص بہ اسد عفی اللہ عنہ ، از تحریر دیوان حسرت عنوان خود فراغت یافتہ بہ فکر کاوش مضامین دیگر ، رجوع بہ جناب روح میرزا علیہ الرحمتہ آورد ۔ فقط ۔"

اس عبارت میں سنہ ہجری کے اعداد لکھنے سے رہ گئے ہیں ، اسی کے ساتھ ورق ۶۰ الف پر یہ مخطوطہ تمام ہو جاتا ہے دیوان کے ساتھ اسی جلد میں ایک مخطوطہ "قصہ لیلی مجنوں" بھی شریک کر دیا گیا ہے لیکن غالب کے متعلق اس کی کچھ اہمیت نہیں ہے اس کی تفصیلات کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے ۔

(ب) بخط غالب ہونے کے شواہد :

اس نسخے سے متعلق دو باتیں خاص طور سے بحث طلب ہیں ۔ ایک تو یہ کہ اس کے بخط غالب ہونے کے قرائن ترقیمے کی عبارت سے قطع نظر، اور کیا کیا ہیں ۔ دوسرے یہ کہ اس کا زمانہ ترتیب و کتابت کیا متعین کیا جائے گا؟ خاص طور پر اس صورت میں کہ ترقیمے کی عبارت میں غالب نے سہواً سنہ ہجری کے اعداد نہیں لکھے ہیں ۔ یہاں اس سلسلے میں چند بنیادی اہمیت کے امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے ۔

نسخۂ امروہہ کے ترقیمے کی عبارت میں کوئی شک پیدا کرنے والی بات نہیں ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اس وقت لکھا گیا ہے جب غالب صرف اسد تخلص کرتے تھے اور بیدل کے رنگ میں خیالی مضامین باندھتے تھے ۔ بیدل سے ان کی عقیدت لوح دیوان اور ترقیمے کی عبارتوں سے ظاہر ہے اور یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ تشیع کی طرف ابتدائے عمر ہی سے مائل تھے ۔ اس میں 'عفی اللہ عنہ' کے الفاظ بھی اس پر گواہ ہیں کہ مصنف خود ہی کاتب بھی ہے ۔

(ج) غالب کا املا :

دوسرا بلہ یہی یہ ہے کہ غالب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی متعدد تحریریں دستیاب ہوتی ہیں ان کی روشِ تحریر اور املا سے اس کا تقابلی مطالعہ کیا جائے ۔ لیکن اس تقابل میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہمیں غالب کی زیادہ تر تحریریں ادھیڑ عمر یا بڑھاپے کی ملی ہیں اور نسخہ امروہہ عنفوانِ شباب کا لکھا ہوا ہے ۔ عمر کے ساتھ ساتھ انسان کے خط میں جو تبدیلی رونما ہوتی ہے، اگر اس کا لحاظ نہ رکھا گیا تو اسے شناخت کرنے میں دشواری بھی ہوسکتی ہے ۔ جوانی میں انسان کے جسم میں طاقت اور ہاتھ میں بل ہوتا ہے اس لیے حروف نشست اور نوک پلک میں بھی جماؤ اور نزاکت ہوتی ہے ، لیکن قویٰ میں اضمحلال پیدا ہو جانے پر ہاتھ کی گرفت کمزور ہوجاتی ہے اور خط میں پختگی تو رہتی ہے مگر تناسب اور نشستِ حروف کا جماؤ نوک پلک کی نفاست کم ہو جاتی ہے ۔ یہ نسخہ جیسے کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے ۱۲۳۱ھ میں لکھا گیا ہے اور ۱۲۳۵ھ سے یقیناً پہلے اس کی کتابت ہوئی ہے۔ ۱۲۳۱ھ ۱۸۱۶ع میں غالب کی عمر ۱۹ سال ہو گی ۔ اس عمر کی تحریر کا مقابلہ ، چالیس پچاس برس کی عمر میں لکھی ہوئی تحریروں سے کیا جائے تو روشِ خط اور خصوصیتِ کتابت کو بہت گہری نظر سے دیکھنا ہو گا ۔

غالب کی سب سے قدیم تحریر جو ہمیں دستیاب ہوئی ہے وہ ان کا ایک خط ہے جو خدا داد خاں اور ولی داد خاں کے نام ہے جو آگرے میں مہاجنی کا کاروبار کرتے تھے، یہ خطِ آزاد لائبریری علی گڑھ کے حبیب گنج کلکشن میں محفوظ ہے ۔ حال ہی میں اس کا عکس ڈاکٹر مختارالدین احمد نے علی گڑھ میگزین :

غالب نمبر ۱۹۶۹ء میں شائع کرا دیا ہے وہ اس کے متعلق لکھتے ہیں :

"مرزا کے اس مکتوب پر سال تحریر ۱۸۰۴ء درج ہے جو کسی طرح درست نہیں ہو سکتا اس وقت تو مرزا کی عمر چھ سات سال کی ہو گی ۔ اگر صفر کو ایک کا عدد سمجھا جائے اور ۱۸۱۴ء پڑھا جائے جب بھی قرین قیاس نہیں، اس طرح مرزا کی عمر سولہ سترہ سال قرار پاتی ہے اور تحریر کی پختگی بتارہی ہے کہ یہ تحریر سولہ سترہ سال کے لڑکے کی نہیں ہوسکتی ۔ مزید براں خط کے آخر میں مرزا کی مہر ہے جس پر ۱۲۳۱ھ منقوش ہے مطابق ۱۸۱۶ء کے ہے ۔ اگر اس سال یہ مہر کھدی ہے تو اس کا استعمال ۱۲۳۱ھ ۱۸۱۶ء یا اس کے بعد ہوا ہوگا، گویا ۱۸۱۴ء خارج از بحث ہے، کہ یہ تحریر ۱۸۲۴ء سے پہلے کی نہیں ہوسکتی"[1]

جناب مالک رام اس خط کا زمانۂ تحریر ۱۸۴۰ء مانتے ہیں[2]، لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اس سنہ سے بہت پہلے کی تحریر ہے ڈاکٹر مختارالدین کا یہ خیال کہ ۱۸۲۴ء کی ہو سکتی ہے قابل قبول ہو سکتا ہے ۔ مگر ہمارے مفید مطلب سردست صرف دو امور ہیں : ایک تو یہ کہ زمانے کے تعین میں محققین کے اختلاف کے باوجود یہ غالب کی قدیم ترین تحریر ہے اور دوسری بات، جو اس موقع پر زیادہ اہم ہے یہ کہ اس کی روشن کتابت اور نسخۂ امروہہ کے خط میں اتنی مماثلت موجود

---

۱ - علی گڑھ میگزین : غالب نمبر (مرتبہ بشیر بدر) ۱۹۶۹ء صفحہ ۳۶ -

۲ - ذکر غالب (طبع ۴) صفحہ ۲۲

سے جو دونوں تحریروں کو ایک ہی کاتب سے منسوب کرنے
کے لیے قطعاً کافی ہو سکتی ہے ۔

غالب کے طرزِ تحریر کی کچھ خصوصیات ہیں ۔ جنہیں ان
کی تحریروں کو دیکھنے والے آسانی سے پہچان سکتے ہیں ۔
مثلاً وہ الف اور دال یا الف اور رے کو ملا دیتے ہیں ، یعنی
فریادی ، بہادر ، بہار وغیرہ الفاظ اس طرح لکھیں گے کہ دال
یا رے الف ہی میں جڑی ہوئی ہو گی ۔ یائے معروف ' مجہول
اگر بغیر وصل آئے تو سامنے کی طرف پھیلی ہوئی ہو گی ۔ یعنی
لفظ 'شوخی' اس طرح لکھیں گے کہ ی کا آخری حصہ بڑی سی
رے معلوم ہو گا ۔ اسی طرح غیر مخلوط ہائے ہوز کا سرا اتنا
دبیز کر دیں گے کہ اگر اس کے نیچے شوشہ نہ ہو تو اُسے
میم بھی سمجھا جا سکتا ہے دال اور واؤ کو ملا دینا بھی غالب
کی منفرد روش ہے وہ 'دو' یا 'دوری' یا 'دوست' اس
طرح لکھتے ہیں کہ اس شکل کو ٹائپ میں ظاہر کرنا بہت
مشکل ہے بعض الفاظ کو ملا کر لکھنا بھی ان کی روش ہے
مثلاً محفل میں کو یوں لکھیں گے : محفلمیں ۔ اسی طرح :
مجلسمیں ، جوشمیں وغیرہ ۔

اگر کسی لفظ میں دال اور واؤ دونوں حروف ہیں تو ان کا
مجموعہ دو چشمی ہا کی طرح بھی بنا دیتے ہیں جیسے 'افزودن'
میں آخری تینوں حروف ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں ۔
ب ت ث وغیرہ حروف وہ دو طرح لکھتے ہیں کبھی تو
' دندانےدار ' جس کا شوشہ آخر میں اوپر کی طرف اٹھتا ہوا
ہوتا ہے اور کبھی اس طرح کہ مقام وصل پر وہ دبیز ہوتی ہے
اور آگے بڑھتے ہوئے نکیلی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ بالکل
خنجر کی سی شکل بن جاتی ہے ۔

اس کے علاوہ غالب صحت الفاظ اور املا کا بہت خیال رکھتے تھے ، اگر کوئی اور کاتب یا پیشہ ور ناقل اس دیوان کو نقل کرتا تو ممکن نہ تھا کہ اس میں املا کی صریح غلطیاں ، یا کم سے کم غالب کے خلافِ مزاج املا کا بکثرت اظہار نہ ہوتا[1] لیکن یہ پورا مخطوط املا کی غلطیوں سے حیرت انگیز طور پر پاک ہے صرف ایک جگہ غالب نے 'کثافت ہا' کو "کسافتہا" لکھ دیا ہے ، یہ سہو قلم ہے - لیکن ایک سے زائد جگہ پر انھوں نے 'عدو' کی عین اور "مشاطہ" کی میم پر پیش لگایا ہے حالانکہ دونوں بفتح اول ہیں اگر غالب اس کا تلفظ بضم اول کرتے تھے تو یہ ان کی غلطی اور عوامی تلفظ کی تقلید تھی

(ت) زمانہ ، کتابت :

مرزا نے پہلی بار اپنا دیوان کب مرتب کیا ، یہ ابھی تک قطعیت سے طے نہیں ہو سکا ہے - لیکن اس زمانے کا جو بھی تخمینہ اب تک کیا گیا ہے نسخۂ امروہہ کی دریافت کے بعد اس پر نظر ثانی کرنا ضروری ہو گیا ہے - اس بحث کی وضاحت کے لیے ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ مرزا نے شعر گوئی کب سے شروع کی ؟ اس بارے میں خود ان کے بیانات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے انھوں نے شعر گوئی کے آغاز کے وقت اپنی عمر ایک جگہ دس سال ، دوسرے موقع

---

۱ - غالب کے املا سے مفصل بحث ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے مقدمہ خطوط غالب (مرتبہ پرشاد) میں اور مولانا عرشی نے مقدمہ مکاتیب غالب (طبع ششم ۱۹۴۹ء صفحات ۲۱۹ و مابعد میں کی ہے اس سے رجوع کیا جائے۔

دیوان غالب ، نسخہٴ امروہہ

پر بارہ سال، تیسری جگہ پندرہ سال لکھی ہے۔ قدر بلگرامی کو لکھا تھا[1]:

"بارہ برس کی عمر سے، نظم و نثر میں کاغذ مانند اپنے نامۂ اعمال کے سیاہ کر رہا ہوں باسٹھ برس کی عمر ہوئی، پچاس برس اس شیوے کی ورزش میں گذرے"

دوسرے خط میں کہتے ہیں[2]:

"پندرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں۔ ساٹھ برس بکا، نہ مدح کا صلہ ملا نہ غزل کی داد۔"

ان بیانوں کو سامنے رکھ کر مولانا امتیاز علی عرشی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ[3]

"میرزا صاحب کی سخن سرائی کا آغاز ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ع) ۱۲۲۵ھ (۱۸۰۹ع) اور ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲ع) میں سے کسی ایک سال ہوا تھا۔ ان میں سے راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تقریباً دس برس کی عمر سے شعر گوتھے کیوں کہ کلیات فارسی کا اظہار، جو سب سے قدیم ہے، یہی ثابت کرتا ہے، اور اس کی تائید اُن کے ہم جولی لالہ کنہیا لال کے بیان سے بھی ہوتی ہے جسے خواجہ حالی مرحوم نے نقل کیا ہے۔"

اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مرزا نے دس برس کی عمر یعنی ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ع) سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا تب

---

۱ - اردوے معلی (مطبع کریمی لاہور ۱۹۲۶ع) ص ۳۰۲
۲ - ایضاً : ۱۹۴ع
۳ - دیباچہ دیوان غالب نسخہ عرشی : ۱۳

بھی یہ نکتہ قابل لحاظ ہے کہ شعر گوئی کا آغاز جمع دیوان کے آغاز کو مستلزم نہیں ہے ۔ میرا خیال ہے کہ ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۱ء) تو اس صورت میں خارج از بحث ہو جاتا ہے ، اگر ہم بقول حالی نواب حسام الدین حیدرخاں کا لکھنؤ جا کر میر کو غالب کا کلام سنانا اور میر کا اس پر تبصرہ کرنا صحیح مان لیں کہ[1] :

"اگر اس لڑکے کو کوئی کامل استاد مل گیا اور اس نے اس کو سیدھے راستے پر ڈال دیا تو لاجواب شاعر بن جائے گا ورنہ مہمل بکنے لگے گا۔"

اس لیے کہ میر کا انتقال ۱۲۲۵ھ (۱۸۱۰ء) میں ہوا ہے اور حسام الدین خاں اسی سال یا (۱۸۰۹ء) میں ان سے ملے ہوں گے ۔ اس لیے آغاز شعر گوئی کا زمانہ ۱۲۲۲ھ (۱۸۰۷ء) مان لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے ۔

اپنا بالکل ابتدائی دور کا کلام مرزا نے کسی بیاض میں یا متفرق پرچوں پر لکھا ہوگا، اس بیاض کے ردیف وار جمع ہونے یا دیوان کی صورت میں شروع ہونے کا امکان بہت کم ہے انہوں نے ایک خط میں لکھا تھا :

"۱۵ برس کی عمر سے ۲۵ برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا گیا دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا[2] ۔"

اس کی رو سے انہوں نے ۱۲۲۷ھ سے شعر کہنا شروع کیا اور ۱۲۳۷ھ تک "بڑا دیوان" جمع کر لیا ۔ لیکن یہ

---

۱ - حالی : یادگار غالب ص ۹۷-۹۸ (بحوالہ ذکر غالب طبع چہارم ص ۴۲-۴۳)

۲ - عود ہندی : ۱۵۹ -

تخمینہ بھی صحیح نہیں ہے - غالب نے ۱۲۳۱ھ ۱۸۱۶ء میں اپنا دیوان مکمل کر لیا تھا جب ان کی عمر ۱۹-۱۸ سال سے زائد نہیں تھی - اور وہ یہی نسخہ امروہہ ہے -

(۲) زمانۂ ترتیب :

نسخۂ امروہہ کے اختتام پر واقع اندراج میں ترقیمہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالب اس دیوان کی کتابت سے ۱۴ رجب کو منگل کے دن شام کے وقت فارغ ہوئے تھے - مگر افسوس ہے کہ انہوں نے سنہ ہجری کے اعداد نہیں لکھے، اگر یہ اعداد بھی موجود ہوتے تو اس نسخے کی اہمیت اور قدر و قیمت میں اضافہ ہو جاتا بصورت موجودہ ہمیں دوسرے ذرائع سے سنہ کی تعین کرنی پڑتی ہے -

سب سے پہلے تو ہم اس سنہ کی آخری ممکنہ حد متعین کرلیں جب یہ نسخہ لکھا گیا - اتفاق سے اس کی ایک قوی اندرونی شہادت موجود ہے - ورق ۱۳۰الف کے حاشیے پر غالب نے اپنے قلم سے ایک مختصر یادداشت لکھی ہے "لعل خاں اول صفر ۱۲۳۰ھ دو روپیہ آٹھ آنے" (ملاحظہ ہو عکس) - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا نے لعل خاں نامی کسی شخص کو ڈھائی روپیہ ماہوار پر یکم صفر ۱۲۳۵ھ سے ملازم رکھا تھا - اور ورق ۱۳۰الف کے حاشیے پر اس یادداشت کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس تاریخ تک دیوان لکھا جا چکا تھا ورنہ یہ عبارت اول و آخر کے کسی صفحے پر ہونا چاہیے تھی - اب یہ دیکھنا چاہیے کہ تقویم ہجری و عیسوی کی رو سے ۱۴-رجب کس سال منگل کے دن واقع ہوئی تھی - تقویم کا حساب بتاتا ہے کہ ۱۲۳۱ھ میں ۱۴ رجب کو بدھ کا دن تھا،

واقعی تاریخ اور اس حساب میں ایک دن کا فرق رؤیت کی وجہ سے
رہ جاتا ہے - اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ ۱۲۳۱ھ میں رجب
کا چاند ۲۹ جمادی الثانیہ کو نظر آیا تھا تو ۱۸ رجب کو
سہ شنبہ ہی پڑتا ہے - ۱۲۳۱ھ میں غالب کی عمر ۱۹ سال
ہوتی ہے اور انہوں نے اپنی شاعری کے آغاز اور جمع دیوان
کے بارے میں جو شہادتیں چھوڑی ہیں ان سے اس سنہ کو
تسلیم کر لینے میں کوئی تناقض یا تضاد نہیں ہے -

اگر ۱۲۳۱ھ والے حساب کو از راہ احتیاط نہ بھی مانا
جائے، (اور بظاہر بجز اس کوئی مانع نظر نہیں آتا) تو اتنا بالکل
بدیہی ہے کہ غالب کا یہ دیوان صفر ۱۲۳۵ھ سے پہلے لکھا
گیا ہے اور اس کی کتابت کا زمانہ ۱۲۳۱ھ سے ۱۲۳۵ھ کے
مابین کوئی سال ہو سکتا ہے -

پہلی تسوید کے وقت اس دیوان میں ۱۳۳۲-اشعار تھے
اور تمام غزلوں کے مقطع میں اسد تخلص استعمال کیا گیا تھا -
نظر ثانی کے زمانے میں (بعد ۱۲۳۵ھ) وہ اپنا تخلص غالب طے
کرچکے تھے چنانچہ بہت سی غزلوں میں اسد کی جگہ غالب
موزوں کر دیا ہے - نیز انہوں نے صفر ۱۲۳۵ھ اور صفر
۱۲۳۷ھ کے درمیان دو سال کے عرصے میں کم سے کم تیرہ
غزلیں اور کہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد ۱۲۲ ہوتی
ہے اور یہ اشعار کاتب دیوان کو املا کرا دیئے جو اس نے
اس دیوان کے حاشیوں پر لکھ لیے - ان کے شمول سے ہی نسخہ
امروہہ کے اشعار کی کل تعداد (۱۶۵۴) ہو جاتی ہے -

(دیکھو فہرست اشعار) -

(و) ترتیب دیوان کے مدارج :

نسخہ امروہہ کی دریافت کے بعد میری رائے یہ ہے کہ مرزا نے اپنا ابتدائی دور کا کلام کسی بیاض میں فراہم کرنا شروع کیا ، (خواہ وہ ردیف وار ہو یا بہ ترتیب نظم لکھی گئی ہو) لیکن اس میں ۱۲۳۱ھ تک ڈیڑھ ہزار اشعار جمع ہو چکے تھے - ایسی کوئی بیاض ابھی تک ہمارے علم میں نہیں ہے لیکن نسخہ امروہہ کی دریافت کے بعد امید کی جا سکتی ہے کہ کبھی وہ بھی مل جائے گی - اس بیاض کو انھوں نے نوک پلک درست کرنے کے بعد دیوان کی شکل میں ردیف وار ترتیب دیا اور آسے اپنے قلم سے صاف کر کے دیوان کا پہلا نسخہ تیار کر لیا - جو زیر بحث دیوان ہے -

اس کا ثبوت کہ نسخہ امروہہ کی خام شکل ایک اور دیوان تھا بعض قرینوں سے بھی ملتا ہے - مولانا عرشی نے اپنے مرتبہ دیوان کے مقدمے میں تحریر فرمایا ہے :

"میرزا صاحب نے اپنا ردیف وار اردو دیوان صفر ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ء) میں صاف کرایا تھا اس کی اصل کوئی مردف دیوان تھا یا وہ بیاض تھی جس میں بہ ترتیب نظم ، اشعار لکھے گئے تھے ، اس سوال کا جواب دینے کے لیے ابھی تک کوئی مسالہ نہیں مل سکا - لیکن یہ بات پایہ' ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ میرزا صاحب نے ۱۲۳۷ھ سے قبل کے کہے ہوئے متعدد شعر اس میں شامل نہیں کیے تھے چنانچہ 'یاد گار نالہ' کے وہ شعر جو عمدۂ منتخبہ ، عیارالشعراء اور دوسرے قدیم ماخزوں سے نقل کیے گئے ہیں ، اس دعوے کا بین ثبوت ہیں" -

اب یہ تو معلوم ہو گیا کہ نسخۂ بھوپال کی اصل ایک مردف اور مرتب دیوان تھا لیکن اس میں بھی بعض وہ اشعار نہیں ہیں جو عمدۂ منتخبہ اور عیار الشعراء میں غالب سے منسوب ہوئے ہیں۔ اس سے یہ قیاس کرنا بے جا نہ ہوگا کہ نسخۂ امروہہ کے مسودے میں بھی غالب نے ترمیمیں کی تھیں اور بعض غزلیں خارج کر دی تھیں، جن کے یہ اشعار عمدۂ منتخبہ اور عیار الشعراء میں باقی رہ گئے ہیں[۱]:

نیازِ عشق خرمن سوزِ اربابِ ہوس بہتر
جو ہو جائے نثارِ برقِ مشتِ خار و خس بہتر

یاد آیا جو وہ کہنا کہ نہیں، واہ، غلط
کی تصور نے بہ صحرائے ہوس راہ غلط

محفلِ شمعِ عذاراں میں جو آ جاتا ہوں
شمع ساں میں تہِ دامانِ صبا جاتا ہوں
ہو گئے ہے جادۂ رہ رشتہ، گوہر ہر گام
جس گزرگہ میں، میں آبلہ پا جاتا ہوں
سرِ گرا مجھ سے سبک رو کے نہ رہنے سے رہو
کہ بیک جنبشِ لب مثلِ صدا جاتا ہوں

دیکھتا ہوں آپ سے، تھی جس کی تمنا مجھ کو
آج بیداری میں ہے خوابِ زلیخا مجھ کو

---

۱ - ان اشعار سے متعلق بحث کے لئے رسالہ اردو کراچی غالب نمبر (فروری ۱۹۶۹ء) میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا مضمون اور رسالہ نقوش لاہور غالب نمبر (فروری ۱۹۶۹ء) میں ڈاکٹر وحید قریشی کا فاضلانہ مقالہ ''دیوان غالب نسخہ شیرانی'' بھی ملاحظہ ہوں۔

ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب ناتواں مجھے
یہ رنگِ زرد ہے چمنِ زعفراں مجھے

دیکھ وہ برقِ تبسم بسکہ دل بیتاب ہے
دیدۂ گریاں مرا فوارۂ سیماب ہے

کہوں کو دروازۂ میخانہ بولا میفروش
اب شکستِ توبہ میخواروں کو فتح الباب ہے

اک گرہ آہ کی تو ہزاروں کے گھر جلے
رکھتے ہیں عشق میں یہ اثر ہم جگر جلے

پروانے کا نہ غم ہو تو پھر کس لیے اسد
ہر رات شمع شام سے لے تا سحر جلے

ماہِ نو ہو کہ فلک عجز سکھاتا ہے مجھے
عمر بھر ایک ہی پہلو پہ سلاتا ہے مجھے

مندرجہ بالا سب اشعار 'عمدہ منتخبہ' سے لیے گئے ہیں
اور ذیل کے اشعار عیارالشعراء میں ہیں:

زخمِ دل تم نے دکھایا ہے کہ جی جانے ہے
ایسے ہنستے کو رلایا ہے کہ جی جانے ہے

صبا لگا وہ طمانچہ طرف سے بلبل کی
کہ روئے غنچۂ گل سوئے آشیاں پھر جائے

یہ سب اشعار نسخۂ بھوپال میں نہیں ہیں، چونکہ ان
تذکروں کا زمانۂ تالیف نسخۂ بھوپال کی ترتیب سے قبل کا

ہے اس لیے انہیں نسخۂ امروہہ میں ہونا چاہیئے تھا ، لیکن یہ نسخہ بھی ان اشعار سے خالی ہے اس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نسخہ امروہہ بھی کسی دیوان یا بیاض کی اصلاح یافتہ شکل ہے اور یہ اشعار اس میں موجود ہوں گے جنہیں بعد میں غالب نے قلم زد کر دیا ، جس طرح نسخہ امروہہ میں انہوں نے بہت سے اشعار قلم زد کر دیے ہیں جنہیں نسخہ بھوپال میں شامل نہیں کیا -

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ نسخہ امروہہ کے حواشی پر بعض غزلیں (جن کی فہرست آگے دی گئی ہے) کسی دوسرے بدخط کاتب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ملتی ہیں اور یہ سب غزلیں (ایک مستثنیٰ) نسخہ بھوپال کے متن یا حواشی میں شامل ہیں گویا ان کا زمانہ تصنیف ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ع اور ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۲ع کے درمیان ہے - یہاں فہرست بنا کر ظاہر کیا جاتا ہے کہ مرزا غالب کا متداول دیوان اپنی ترتیب و انتخاب کے کن مدارج سے گزار ہے -

۱ **ابتدائی بیاض :** (ردیف وار یا بہ ترتیب نظم) جس میں آغاز شعر گوی سے ۱۲۳۱ھ تک کا کلام تھا -

۲ **نسخہ امروھہ :** جسے ابتدائی بیاض کی مرتب شکل کہنا چاہیئے - یہ ۱۴ رجب ۱۲۳۱ھ روز سہ شنبہ کو مکمل ہوا -

۳ **دوسرا نسخہ :** نسخہ امروہہ میں حک و اصلاح اور ترمیم و اضافے کے بعد یہ دیوان تیار ہوا جس کا ابتدائی حصہ (نسخہ امروہہ کے ورق ۲۸ - الف تک) خود غالب کے قلم سے صاف کیا گیا تھا ، باقی حصہ کسی اور کاتب نے نقل کیا اس لیے کہ

نسخہ امروہہ کے ورق ۲۸ الف پر اس غزل کے ساتھ جس کا مقطع ہے :

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

یہ لکھا ہوا ہے :

"تا این جا نوشتہ ام"

اور اس مطلع کے ساتھ :

جوں مردمک چشم میں ہوں جمع نگاہیں
خوابیدہ حیرت کدۂ داغ ہیں آہیں

یہ نوٹ کیا گیا ہے کہ "ازین جا شروع" ۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ترمیم واصلاح کے بعد نسخہ امروہہ کو ورق ۲۸ الف تک خود غالب نے صاف کرنا شروع کر دیا تھا اس دوران میں انھیں کاتب مل گیا تو باقی حصہ اس سے لکھوایا گیا ۔ اور جو غزلیں بعد میں کہی گئی تھیں وہ کاتب نے نسخہ امروہہ کے حاشیے پر لکھ لی تھیں وہاں سے مبیضہ میں نقل ہوئیں ۔ یہی مبیضہ نسخہ بھوپال کی اصل رہا ہوگا اس لیے میں اس کا زمانہ کتابت صفر ۱۲۳۷ھ سے پہلے اور صفر ۱۲۳۵ھ کے بعد مانتا ہوں ۔

(۴) نسخہ بھوپال[1] : اس کی کتابت ۵ صفر ۱۲۳۷ھ اکتوبر

---

۱ - تفصیل کے لیے : دیباچہ نسخہ عرشی صفحات ۵۷ تا ۸۷
ڈاکٹر عبداللطیف : غالب (اردو ترجمہ) مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۴۵-۱۴۶
باقی حاشیہ اگلے صفحے پر

۱۸۲۱ء میں تمام ہوئی - یہ وہی نسخہ ہے جس کا کلام نسخہ حمیدیہ میں شامل ہے اصل مخطوطہ مفقود ہوچکا ہے -

(۵) نسخہ شیرانی [1] : یہ بھوپال کا مبیضہ ہے اس کا زمانہ قیاساً ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء بتایا جاتا ہے -

(۶) گل رعنا [2] : تاریخ ترتیب مابین ۴ شعبان ۱۲۴۳ھ/۱۹ فروری ۱۸۲۸ء و ربیع الاول ۱۲۴۵ھ/ستمبر ۱۸۲۹ء -

(۷) نسخہ رام پور [3] : (قدیم) مکتوبہ ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۳ء -

(۸) نسخہ بدایوں [4] : مابین ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۵ء و ۱۲۵۴ھ -

پچھلے صفحے کا باقی حاشیہ

گیان چند : غالب اور بھوپال - اردوئے معلی (دہلی) غالب نمبر حصہ اول ۱۹۶۰ء -

سید حامد حسین : دیوان غالب نسخہ بھوپال کی کہانی - اردو ادب (علی گڑھ) غالب نمبر شمارہ ۱/۱۹۶۹ء -

ابو محمد سحر : دیوان غالب کا ایک اہم گم شدہ مخطوطہ - نیا دور (لکھنؤ) غالب نمبر فروری ۱۹۶۹ء -

۱ - ملاحظہ ہو دیباچہ نسخہ عرشی صفحات ۷۸ تا ۸۱ معاصر (پٹنہ) حصہ ۱۲ -

وحید قریشی : دیوان غالب نسخہ شیرانی - (نقوش لاہور) غالب نمبر فروری ۱۹۶۹ء -

۲ - دیباچہ نسخہ عرشی صفحات ۸۱ تا ۸۲ -

مالک رام : گل رعنا (حصہ فارسی) نگار (لکھنؤ) ۱۹۶۰ء نیز 'نذر ذاکر' ۱۹۶۸ء -

۳ - دیباچہ نسخہ عرشی صفحات ۸۲ - ۸۴ -

۴ - نقوش لاہور شمارہ ۸۱ - ۸۲ (جون ۱۹۶۰ء) میں مولانا عرشی کا مضمون ''دیوان غالب کا ایک اور نادر مخطوطہ'' -

۱۸۳۸-۳۹ء -

(۹) نسخہ کراچی[۱] : ۲۹ شعبان ۱۲۶۱ھ / اگست ۱۸۴۵ء -

(۱۰) نسخہ لاہور - غالباً ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۲ء کا لکھا ہوا

(۱۱) نسخہ رام پور جدید : ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۵ء

(۱۲) نسخہ طاہر : مکتوبہ ۹ جمادی الثانیہ ۱۲۷۷ھ / ۲۲ دسمبر ۱۹۶۰ء

ان نسخوں میں غالب کے قدیم کلام کا مطالعہ کرنے کے لیے نسخۂ امروہہ سب پر فوقیت رکھتا ہے - اس کی ترقی یافتہ شکل نسخۂ بھوپال ہے جسے اب تک غالب کا سب سے پہلا دیوان سمجھا جاتا تھا - اور اس کا مبیضہ نسخہ شیرانی ہے - گل رعنا کو متداول دیوان کا نقش اول کہنا چاہیے -

(ز) نسخۂ امروہہ کی اصلاحیں :

زیر بحث نسخے میں غالب نے پہلی روایت کو تبدیل کرکے کس طرح کی تبدیلیاں کی ہیں اس سے ان کے ذوق سخن کا ارتقا معلوم ہوتا ہے یہاں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں :

۱- غزل نمبر ۵ کا دوسرا شعر ہے :

اوگی اک بنبۂ روزن سے بھی چشم سفید آخر
حیا کو انتظار جلوہ ریزی کے کمیں پایا

---

۱ - سید عبداللہ : دیوان غالب کا ایک نادر قلمی نسخہ - ماہ نو (کراچی) جولائی ۱۹۵۴ء -

پہلا مصرع ابتدا میں یوں تھا :

اوگے چشم سفید از پنبۂ روزن تماشا ہے

غالب نے اسے اپنے قلم سے تبدیل کیا ہے

۲ - غزل ۸ کا مقطع :

اسد کو بت پرستی عالم درد آشنائی ہے

نہاں ہے نالۂ ناقوس میں در پردہ یا رب ہا

ترمیم سے قبل پہلا مصرع یوں تھا :

اسد کو بت پرستی مطاب از درد آشنائی ہے

۳ - غزل ۱۰ شعر ۳ :

اسیر بے زبانی ہوں مگر صیاد بے پروا

بدام جوہر آئینہ ہو جاوے شکار اپنا

پہلا مصرع ابتداء یوں تھا :

گرفتارانِ الفت ہیں بے زباں ہیں، کاش صیادے

۴ - غزل ۱٦ شعر ۳ :

بسکہ جوش گریہ سے زیر و زبر ویرانہ تھا

چاک موج سیل تا پیراہن دیوانہ تھا

ترمیم سے پہلے یوں تھا :

چاک موج سیل در پراہن دیوانہ تھا

۵ - عزل ۱٦ شعر ۳ :

حیرت اپنے نالۂ بیدرد سے غفلت بنی

راہ خوابیدہ کو غوغاے جرس افسانہ تھا

قبل اصلاح :

حیرت از شور فغاں بے اثر غفلت ہوئی

۶ - غزل ۱۶ شعر ۵ :

شب تری یا شہر سحر شعلۂ آواز سے
تار شمع آہنگ مضراب پر پروانہ تھا

قبل اصلاح :

از نفس گرمی سحر شعلہ' آواز یاد

۷ - غزل ۱۹ شعر ۵ :

تمنائے زباں محو سپاس بے زبانی ہے
گیا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست وپائی کا

قبل اصلاح :

تمنائے زباں محو سپاس بے زبانی ہا

۸ - غزل ۲۱ شعر ۴ :

شرر فرصت نگہ ، سامان یک عالم چراغاں ہے
بقدر رنگ یاں گردش میں ہے پیمانہ محفل کا

۹ - غزل ۲۲ شعر ۵ :

فزوں ہوتا ہے ہر دم جوش خوں باری تماشا ہے
نفس کرتا ہے رگہائے مژہ ہر کام نشتر کا

قبل اصلاح :

نفس کرتا ہے ہر رگ ہائے مژگاں کام نشتر کا

۱۰ - غزل ۲۵ مطلع :

بہار رنگ خون گل ہے ساماں اشک باری کا
جنون برق اور شعلہ نشتر ہے رگ ابر بہاری کا

قبل اصلاح :

کہ برق اور شعلہ نشتر ہے رگ ابر بہاری کا

۱۱ - غزل ۲۸ شعر ۵ :

وحشی بن صیاد نے ہم رم خوردوں کو کیا رام کیا
رشتہ چاک جیب دریدہ صرف قماش دام کیا

قبل اصلاح :

رشتۂ چاک جیب دریدہ یکسر صرف دام کیا

۱۲ - غزل ۳۰ شعر ۲ :

عجب اے آبلہ پایان صحرائے نظر بازی
کہ تار جادۂ رہ رشتہ گوہر نہیں ہوتا

قبل اصلاح :

عجب اے آبلہ پایان صحرائے محبت ہا

۱۳ - غزل ۳٦ شعر ۳ :

بت پرستی ہے بہار نقشبندی جہاں
ہر صریر خامہ میں یک نالۂ ناقوس تھا

قبل اصلاح :

از صریر خامہ پیدا نالۂ ناقوس تھا

۱۴ - غزل ۳۷ شعر ۹ :

وہ نفس ہوں کہ اسد مطرب دل نے جس سے
ساز پر رشتہ پئے نغمہ بیدل باندھا

قبل اصلاح :

وہ نفس ہوں کہ اسد زمزمۂ فرصت سے
رشتۂ ہر ساز پئے نغمۂ بیدل باندھا

یہ چند مثالیں اس ترمیم اور اصلاح کی نوعیت ظاہر کرنے کے لیے اخذ کی گئی ہیں جن سے نسخۂ امروہہ ابتدائی ترتیب کے بعد گذرا ہے ۔ ان میں کچھ اصلاحیں نسخۂ بھوپال کے متن میں موجود ہیں اور کچھ وہاں حاشیے پر درج ہوئی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نسخۂ بھوپال کی تسوید کے بعد عمل میں آئیں ۔

(ح) نسخۂ حمیدیہ کی تصحیح :

نسخۂ امروہہ کی جہاں یہ خصوصیت ہے کہ وہ غالب کے قلم سے لکھا ہوا ہے ، اور اب تک دریافت ہونے والے تمام نسخوں میں قدیم ترین اور سب سے زیادہ مستند ہے، نیز اس میں غالب کی متعدد غزلیں اور اشعار غیر مطبوعہ ہیں ، جو پہلی بار سامنے آئے ہیں، وہیں اس کی ایک ضمنی اہمیت اور بھی ہے ۔ نسخۂ بھوپال (مکتوبہ صفر ۱۲۳۷ھ) اب مفقود ہو چکا ہے ۔ مگر یہ ۱۹۲۱ء میں مفتی انوارالحق مرحوم کی تصحیح اور ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری کے مقدمے کے ساتھ "نسخۂ حمیدیہ" کے نام سے شائع ہوا تھا ۔ اس کی اشاعت کے وقت تک اردو میں دواوین کی ترتیب و تصحیح کے معیاری نمونے موجود نہیں تھے، اس لیے اس کا متن پوری احتیاط اور چھان بین کے ساتھ مدون نہیں ہوا ۔ دوسرے یہ کہ نسخۂ بھوپال کا معتدبہ کلام وہ تھا جو اس وقت تک اور کسی نسخے میں نہیں ملتا تھا لہٰذا اس کی تصحیح کا کوئی دوسرا ذریعہ بھی

نہیں تھا ۔ اب خواہ کاتب نسخہ نے غلطی کی ہو یا مرتب سے پڑھنے میں سہو ہوا ہو ، جو بھی طباعت ، کتابت یا قراوت کی غلطی اس میں رہ گئی وہ کسی اور ذریعے سے دور نہیں کی جا سکتی ؛ قیاسی تصحیح کو صحت کا مدار بنانا عموماً خطرے سے خالی نہیں ہوتا ۔ اب نسخۂ امروہہ کے سامنے آ جانے سے یہ دشواری نہ رہے گی ، نسخۂ حمیدیہ کے بہت سے اشعار جو مہمل معلوم ہوتے تھے ان کی صحت ہو گئی اور وہ بامعنی نظر آنے لگے۔ چند مثالیں لکھتا ہوں ، اشعار کا متن نسخۂ عرشی سے لیا گیا ہے اور تصحیح نسخۂ امروہہ سے کی گئی ہے :

۱ - وحشت خواب عدم شور تماشا ہے اسد
(جو) مژہ ، جوہر نہیں آئینہ تعبیر کا (جز)

---

۲ - عدم ہے خیر خواہ (جلوۂ) زندان بیتابی
جلوہ کو
خرام ناز برق خرمن (سعی پسند) آیا
حاصل سعی سپند آیا

---

۳ - بعجز آباد و ہم مدعا تسلیم شوخی ہے
تغافل کو نکر (معزول) تمکیں آزمائی کا
مغرور

---

۴ - نظر بازی طلسم وحشت آباد (پریشاں) ہے
پرستاں
رہا بیگانۂ تاثیر افسوں آشنائی کا

---

۵ - اسد کو بیتاب طبع برق آہنگ مسکن (سے) ہے
حصار شعلۂ جوالہ میں عزلت نشیں پایا

---

۶ - نزاکت ہے فسون دعوی طاقت شکستن ہا
شرار تنگ، انداز چراغ از جسم (خستنہا) جستن ہا

---

۷ - ہوا نے ابر سے کی موسم گل میں نمد باقی
کہ تھا آئینہ خور بے نقاب (رنگ) بستن ہا[1] زنگ

---

۸ - (غریبی) بہر تسکین ہوس درکار ہے ورنہ فریبے
ہو ہم زر گرہ میں باندھتے ہیں برق حاصل ہا

---

۹ - عیادت ہائے طعن آلود یاراں زہر قاتل ہے
رفوئے زخم (کرتی ہے) بنوک نیش عقرب ہا کرتے ہیں

---

۱ - بعض اشعار ممکن ہے نسخہ عرشی میں طباعت کی غلطی سے مسخ ہوگئے ہوں - یہ سطور لکھتے وقت میرے سامنے نسخہ حمیدیہ نہیں ہے لیکن قریب یہ یقین ہے کہ نسخہ عرشی میں طباعت کی غلطیاں اتنی وافر مقدار میں نہ رہی ہوں گی -

۱۰ - داغ مہر ضبط بے جا مستی سعی (پسند)
مپند
دو دمجمر لالہ ساں درد تہہ پیمانہ تھا

۱۱- صدا ہے کوہ میں حشر آفریں اے غفلت اندیشاں
پئے سنجیدن یاراں (ہو) حامل خواب سنگیں کا
ہوں

---

۱۲ - آیا نہ (بیابان طلب کام) زباں تک
آیا نہ بیان طلب کام ،
تب خالہ‌ٔ لب ہو نہ سکا آبلہ‌ٔ پا

---

۱۳ - فریاد سے پیدا ہے اسد گرمی وحشت
تب خالہ لب‌ٔ ہے جرس (آبلہ‌ٔ) پا
قافلہ‌ٔ

---

۱۴ - زمین کو صفحہ‌ٔ گلشن بنایا خوں چکانی (نے)
سے
چمن بالید نیہا از رم نخچیر ہے پیدا

---

۱۵ - ہے عرق افشاں مشی سے ، ادہم مشکیں یاد
وقت شب (اختر گنی ہے) چشم بیدار رکاب
اختر گنے ہے
اختر شمر ہے

---

۱۶ - شب کہ تنہا (نظارگی) روے بتاں کا ، اے اسد
نظارہ گر
گر گیا بام فلک سے صبح خشت آفتاب

---

۱۷ - اسد (پردے) میں بھی آہنگ شوق یار قائم ہے
پیری
نہیں ہے نغمے سے خالی خمیدن ہاے چنگ آخر

---

۱۸ - لذت تقریر عشق ، پردگی گوش دل
جو ہر افسانہ ہے عرض (تجمل) ہنوز
تجمل

---

۱۹ - تیز تر ہوتا ہے خشم تند (خوباں) عجز سے
خوباں
ہے رگ سنگ فسان تیغ شعلہ خار و خس

---

۲۰ - وحشت افزا گریہ ہا موقوف فصل گل اسد
چشم دریا ریز ہے (میزاب) سرکار چمن
میرآب

---

۲۱ - خموشی فانہ زاد چشم ہے پروا نگاہاں ہے
غبار سرمہ یاں گرد سواد (برگستاں) ہے
نرگستاں

---

۲۲ - رہا بے قدر دل در پردۂ جوش ظہور آخر
گل و نرگس بھم (آئینہ و اقلیم) او کراں ہے
آئینہ در اقلیم

---

۲۳ - دیوانگاں ہیں حامل راز نہان عشق
اے بے تمیز گنج (کو پروانہ) چاہیے
بو یرانہ

---

۲۴ - کیا یکسر گداز دل (بیاز) جوشش حسرت
نیاز
ہویدا ، نسخہ تہ بندی داغ تمنا ہے

---

۲۵ - گریے سے بند محبت میں ہوئی نام آوری
لخت لخت دل (مکین) خانۂ زنجیر ہے
نگین

---

۲۶ - ہجوم ضبط فغاں سے مری زبان خموش
(برنگ بستۂ) زہر اب دادہ پیکاں ہے
برنگ پستۂ

---

۲۷ - پنبۂ (مینائی ہی) رکھ لو تم اپنے کان میں
مینائے مے
مے پرستاں ناصح بے صرفہ گو بے ہودہ ہے

---

۲۸ - اثر میں یاں تک اے دست دعا (حل تصرف) کر
دخل تصرف
کہ سجدہ قبضۂ تیغ خم محراب ہو جاوے

---

۲۹ - (ہے) عشق وفا جانتے ہیں لغزش پا تک
ہم
اے شمع تجھے دعوی ثابت قدمی ہے

---

۳۰ - گداز سعی بینش شست و شو (سے) نقش خود کامی
شوے
سراپا شبنم آئیں آ کر نگاہ پاک باقی ہے

مندرجہ بالا مثالیں سرسری ورق گردانی کا حاصل ہیں، اگر نسخہ امروہہ سے نسخہ حمیدیہ کے متن کا مقابلہ کیا جائے تو بہت سی دلچسپ غلطیاں برآمد ہوں گی جو اس لیے شائع ہوگئیں کہ نسخہ حمیدیہ کا متن "حرف آخر" ہو کر رہ گیا تھا - ایک مثال عمدۂ منتخبہ سے بھی پیش کرتا ہوں - یہ مطلع سرور نے درج کیا ہے

جگر سے ٹوٹے ہوئے سوکی ہے سناں پیدا
دہان زخم سے آخر ہوئی زباں پیدا

تذکرہ سرور کے قلمی نسخۂ لندن کا عکس (جلوکۂ جناب مالک رام) میری نظر سے گذرا ہے اب یاد نہیں کہ اس میں مطلع کے یہی الفاظ ہیں یا ان سے کچھ مختلف ہیں - مگر دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو نے جو تذکرہ سرور کا متن

مسخ کیا ہے وہ پیش نظر ہے اس میں مطلع اسی طرح ہے -
جناب مالک رام نے اپنے مرتبہ دیوان میں اور مولانا عرشی
نے نسخہ عرشی کے حصہ "یاد گر نالہ" میں اسی طرح درج
کیا ہے اور مذکورہ بالا مصادر سے جہاں بھی نقل ہوا ہے
اس کی یہی صورت ہے میں نے مطبوعہ تذکرہ سرور کے نسخے
پر غلطیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے اس کی قیاسی تصحیح
یوں کی تھی :

جگر سے ٹوٹی ہوئی ہو گئی سناں پیدا

اب یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ نسخہ امروہہ کا متن
میرے قیاس کی پوری تائید کر رہا ہے -

(ط) نسخۂ امروہہ کے حواشی کا اضافہ :

جیسا کہ ہم نے شروع میں بتایا ہے اس نسخے کے
حاشیوں پر کسی دوسرے خط سے مندرجہ ذیل ۱۳ غزلیں
حاشیوں پر اضافہ کی گئی ہیں اور یہ نسخۂ بھوپال کے متن یا
حواشی میں داخل ہیں ، یہ بھی اس کا ثبوت ہے کہ نسخہ
امروہہ ، نسخہ بھوپال کے مسودے کا مسودہ ہے - حاشیے کی
غزل نمبر ۲۱۶ موخرالذکر نسخے میں شامل نہیں کی گئی -
جتنا کلام نسخہ امروہہ کے حاشیے پر لکھا ہوا ملتا ہے اس
کی ہر غزل کا مطلع یہاں لکھا جاتا ہے :

غزل (۱۱۶)

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں ، منہ سے مجھے بتا کہ یوں

(حاشیہ ورق ۳۱ - الف-تعداد اشعار ۶ - یہ سب اشعار

نسخہ بھوپال کے متن میں داخل ہیں اور ۴ شعر اُس کے
حاشیے پر درج ہیں جو ۱۸۲۱ء کے بعد اضافہ ہوئے)

غزل (۱۲۳)

وہ فراق اور وہ وصال کہاں
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

(حاشیہ ورق ۳۲ ب ، تعداد اشعار ۹ - یہ غزل نسخہ
بھوپال کے بھی حاشیے پر تھی)

غزل (۱۳۱)

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجیے ہمارے ساتھ ، عداوت ہی کیوں نہ ہو

(حاشیہ ورق ۳۴-الف تعداد اشعار ۱۰ - نیز حاشیہ نسخہ
بھوپال)

غزل (۱۴۸)

چاہیے خوباں کو جتنا چاہیے
یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

(حاشیہ ورق ۳۸ - الف تعداد اشعار ۹ نیز آخر نسخہ
بھوپال)

غزل (۱۶۲)

عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی
میری وحشت تری شہرت ہی سہی

(حاشیہ ورق ۳۸ ب - تعداد اشعار - ۱۰ نیز حاشیہ
نسخہ بھوپال)

غزل (۱۵۷)

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے
سینہ جویا ہے زخم کاری ہے

(حاشیہ ورق ۳۹ ب ۔ تعداد اشعار ۱۴ ۔ آخر نسخہ بھوپال)

غزل (۱۶۹)

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی
یا رب اسے لکھ دیجیو قسمت میں عدو کی

(حاشیہ ورق ۴۱ ب ۔ تعداد اشعار ۷ ۔ متن نسخہ شیرانی)

غزل (۱۷۵)

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمک داں کیے ہوئے
(مطلع ندارد)

(حاشیہ ورق ۴۳ ب ۔ تعداد اشعار ۱۳ ۔ آخر نسخہ بھوپال)

غزل (۱۸۳)

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے
جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے

(حاشیہ ورق ۴۵-الف تعداد اشعار ۹ نیز نسخہ شیرانی)

غزل (۱۹۳)

رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے
دھوئے گئے ہم کہ بس پاک ہو گئے

(حاشیہ ورق ۸۰ ۔ ب تعداد اشعار ۷ ۔ متن نسخہ شیرانی)

غزل (۲۰۳)

درد سے میرے تجھ کو بیقراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے

(اضافہ برحاشیہ ورق ۹۰ الف تعداد اشعار ۱۲ ۔ متن نسخہ بھوپال)

(غزل ۲۱۶)

سمجھاؤ اسے یہ وضع چھوڑے
جو چاہے کرے پہ دل نہ توڑے

(حاشیہ ورق ۸۲ ۔ ب تعداد اشعار ۹ ۔ یہ غزل غیر مطبوعہ ہے)

غزل (۲۳۰)

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے
جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

(حاشیہ ورق ۵۵ ۔ ب تعداد اشعار ۷ ۔ نسخہ بھوپال ، ۲ شعر اضافہ)

(ی) تعداد اشعار کا گوشوارہ :

ردیف	غزلیات	اشعار	ردیف	غزلیات	اشعار
الف	۵۰	۲۱۶	ع	۲	۱۱
ب	۲	۱۲	غ	۲	۱۱
ت	۲	۱۱	ف	۲	۱۱
ث	۲	۱۳	ک	۱	۵
ج	۲	۱۴	گ	۱	۹
چ	۲	۱۴	ل	۵	۳۳
ح	۱	۵	م	۵	۳۵
د	۴	۲۸	ن	۲۶	۱۷۹
ر	۷	۴۴	و	۷	۵۱
ز	۷	۴۴	ہ	۸	۵۰
س	۳	۱۶	ی	۱۱۰	۷۳۳
ش	۲	۱۴			
میزان ۱۲	۸۴	۴۳۱	۱۱	۱۶۹	۱۱۲۸

(ک) کل مشمولات کی فہرست : غزلیات

یہاں ہر غزل کے مطلع کا صرف پہلا مصرع درج کیا گیا ہے ، اس کے سامنے اس زمین کے شعروں کی تعداد لکھی ہے مصرع کے شروع میں ستارے کا نشان اس کی علامت ہے کہ یہ غزل دیوان غالب کے اور کسی نسخے میں نہیں ملتی -

الف

۱ - نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا (۷)
۲ - جنوں گرم انتظار و نالہ بیتابی کمند آیا (۶)
۳ - شمار سبحہ مرغوب بت مشکل پسند آیا (۶)
۴ - خود آرا وحشت چشم پری سے شب وہ بد خو تھا (۷)
۵ - دویدن کے کمیں جوں ریشہ زیر زمیں پایا (۶)

۶ - نزاکت ہے فسون طاقت شوخی شکستن پا (۶)
۷ - بسان جوہر آئینہ از ویرانی دلہا (۶)
۸ - بشغل انتظار مہوشاں در خلوت شبہا (۶)
۹ - برہن شرم ہے با وصف شوخی اہتمام اوس کا (۶)
۱۰ - یاد روزے کہ نفس در گرہ یارب تھا (۷)
۱۱ - شب کہ دل زخمی عرض دو جہاں تیں آیا (۶)
۱۲ - بیر آنسوے تماشا ہے طلب کروں کا (۷)
۱۳ - طاؤس در رکاب ہے ذرہ آہ کا (۷)
۱۴ - یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا (۶)
۱۵ - نہ بھولا اضطراب دم شماری انتظار اپنا (۷)
۱۶ - بسکہ جوش گریہ سے زیرو زبر ویرانہ تھا (۹)
۱۷ - رات دل گرم خیال جلوۂ جانانہ تھا (۷)
۱۸ - پئے نذر کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا (۷)
۱۹ - نہ ہو حسن تماشا دوست رسوا بے وفائی کا (۶)
۲۰ - کرے گر حیرت نظارہ طوفان نکتہ گوئی کا (۷)
۲۱ - زبس خوں گشتہ رشک وفا تھا ذوق بسمل کا (۷)
۲۲ - فرو پیچیدنی ہے فرش بزم عیش گستر کا (۶)
۲۳ - کیا کس شوخ نے ناز از سر تمکیں نشستن کا (۵)
۲۴ - عیادت سے زبس ٹوٹا ہے دل یاران غمگیں کا (۷)
۲۵ - بہار رنگ خون گل ہے ساماں اشک باری کا (۷)
۲۶ - ورد اسم حق سے دیدار صنم حاصل ہوا (۶)
۲۷ - قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا (۷)
۲۸ - وحشی بن صیاد نے ہم رم خوردوں کو کیا رام کیا (۵)
۲۹ - گر نہ احوال شب فرقت بیاں ہو جائے گا (۶)
* ۳۰ - تنگ ظرفوں کا رتبہ جہد سے برتر نہیں ہوتا (۷)

۳۱ - لب خشک در تشنگی مردگاں کا (۶)
۳۲ - ہے تنگ ز و امانده شدن حوصلہ پا (۵)
* ۳۳ - وہ فلک رتبہ کہ برتو سن چالاک چڑھا (۵)
۳۴ - شب کہ ذوق گفتگو سے تیرے دل بیتاب تھا (۶)
۳۵ - نالۂ دل میں شب انداز اثر نایاب تھا (۶)
۳۶ - شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا (۵)
۳۷ - شب اختر قدح عیش نے محمل باندھا (۹)
۳۸ - عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا (۷)
۳۹ - خلوت آبلہ پا میں ہے جولاں میرا (۱۰)
۴۰ - بہ مہر نامہ جو بوسہ گل و پیام رہا (۶)
* ۴۱ - خط جو رخ پر جانشین ہالہ مہ ہو گیا (۴)
۴۲ - بسکہ عاجز نا رسائی سے کبوتر ہو گیا (۶)
۴۳ - یک گم بے خودی سے لوٹیں بہار صحرا (۶)
* ۴۴ - دل بیتاب کہ سینے میں دم چند رہا (۵)
* ۴۵ - جگر سے ٹوٹی ہوئی ہو گئی سناں پیدا (۵)
۴۶ - اُف نہ کی گو سوز غم سے بے محابا جل گیا (۶)
* ۴۷ - نہاں کیفیت مے میں ہے سامان حجاب اوس کا (۵)
۴۸ - زبس ہے ناز پرداز غرور نشہ صہبا (۵)
۴۹ - گرفتاری میں فرمان خط تقدیر ہے پیدا (۶)
۵۰ - سحر گر باغ میں وہ حسرت گلزار ہو پیدا (۶)

ب

۵۱ - بسکہ ہے میخانہ ویراں جوں بیاباں خراب (۷)
۵۲ - ہے بہاراں میں خزاں پرور خیال عندلیب (۵)

ت

۵۳ - نیرنگی جلوہ ہے بزم تجلی زار دوست (۶)
۵۴ - جاتا ہوں جدھر سب کی اٹھے ہے ادھر انگشت (۵)

ث

۵۵ - دود شمع کشتۂ گل بزم سامانی عبث (۷)
۵۶ - ناز لطف عشق بادصف توانائی عبث (۶)

ج

۵۷ - گلشن میں بند و بست بہ ضبط دگر ہے آج (۷)
۵۸ - ہے لب گل کو زوا جنبیدن برگ اختلاج (۷)

چ

۵۹ - بیدل نہ ناز وحشت جیب دریدہ کھینچ (۷)
۶۰ - قطع سفر ہستی و آرام فنا ہیچ (۷)

ح

۶۱ - دعویٰ عشق جنوں سے بگلستان گل و صبح (۵)

د

۶۲ - بسکہ وہ پا کو بیاں در پردۂ وحشت ہیں یاد (۵)
۶۳ - تو پست فطرت اور خیال بسا بلند (۷)
۶۴ - حسرت دست گہ و پائے تحمل تا چند (۹)
۶۵ - بکام دل کریں کس رنگ گم رہاں فریاد (۷)

ر

ز

س

ش

۸۴ - با قایم سخن ہے گرد افروز سواد آتش (۵)

ع

۸۵ - جادۂ رہ خور کو وقت شام ہے تار شعاع (۶)
۸۶ - رخ نگار سے ہے سوز جاودانی شمع (۵)

غ

۸۷ - عشاق اشک چشم سے دھوویں ہزار داغ (۵)
۸۸ - بلبلوں کو دور سے کرتا ہے منع بار باغ (۶)

ف

۸۹ - نامہ بھی لکھتے ہو تو بخط غبار حیف (۶)
۹۰ - عیسیٰ مہرباں ہے شفا ریز یک طرف (۷)

ک

۹۱ - آئے ہیں پارہ ہائے جگر درمیاں اشک (۵)

گ

۹۲ - گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ (۹)

ل

۹۳ - بدر ہے آئینہ طاق ہلال (۷)
۹۴ - ہوں بہ وحشت انتظار آوارۂ دشت خیال (۷)
۹۵ - ہر عضو غم سے ہے شکن آسا شکستہ دل (۵)

۹۶ - بھر عرض حال شبنم سے رقم ایجاد گل (۹)
۹۷ - گرچہ ہے یک بیضۂ طاؤس آسا تنگ دل (٥)

م

۹۸ - اثر کمندی فریاد نارسا معلوم (۷)
۹۹ - ازاں جاکہ حسرت کش یار ہیں ہم (۷)
۱۰۰ - یاں اشک جدا گرم ہیں اور آہ جدا گرم (۶)
۱۰۱ - بس کہ ہیں بدست ہشکن میخانہ ہم (۹)
۱۰۲ - جس دم کہ جادہ وار ہو تار نفس تمام (۶)

ن

۱۰۳ - خوش وحشتے کہ عرض جنون فنا کروں (۹)
۱۰۴ - آنسو کہوں کہ آہ سوار ہوا کہوں (۷)
۱۰۵ - جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں (۹)
۱۰۶ - جوں مرد مک چشم میں ہوں جمع نگاہیں (۷)
۱۰۷ - جائے کہ پائے سیل بلا درمیاں نہیں (۷)
۱۰۸ - مرگ شیریں ہوگئی تھی کوہکن کے فکر میں (۷)
۱۰۹ - ہے ترجم آفریں آرائش بیلاد یاں نہیں (۷)
۱۱۰ - اے نوا ساز تماشا سربکف جلتا ہوں میں (٥)
۱۱۱ - فتادگی میں قدم استوار رکھتے ہیں (۹)
۱۱۲ - تن بہ بند ہوس در ندادہ رکھتے ہیں (۸)
۱۱۳ - بغفلت عطر گل ہم آگہی مخمور ماتے ہیں (۷)
۱۱۴ - سرشک آشفتہ سر تھا قطرہ زن مژگاں سے جانے میں (۶)
۱۱۵ - فزوں کی دوستوں نے حرص قاتل ذوق کشتن میں (۶)

۱۱۶ - غنچۂ نا شگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں (۶)

اضافہ برحاشیہ - ورق ۳۱ الف

۱۱۷ - خون در جگر نہفتہ بہ زردی رسیدہ ہوں (۷)

۱۱۸ - سودائے عشق سے دم سرد کشیدہ ہوں (۷)

۱۱۹ - ہوئی ہیں آب شرم کوشش سے بے جا سے تدبیریں (۷)

۱۲۰ - بے دماغی ، حیلہ جوئی ، ترک تنہائی نہیں (۷)

۱۲۱ - ظہورا سر پنجۂ افتادگاں گیرا نہیں (۷)

۱۲۲ - ضبط سے مطلب بجز وارستگی دیگر نہیں (۷)

۱۲۳ - وہ فراق اور وہ وصال کہاں (۸)

اضافہ بر حاشیہ - ورق ۳۲ ب

۱۲۴ - عیاں جادہ رونما ندن ہے خط جام مے نوشاں (۵)

۱۲۵ - نہیں ہے بے سبب قطرے کو شکل گوہر افسردن (۷)

۱۲۶ - دیکھئے مت چشم کم سے سوئے ضبط افسردگاں (۵)

۱۲۷ - سازش صلح بتاں میں ہے نہاں جنگیدن (۵)

۱۲۸ - صاف ہے ازبسکہ عکس گل سے گلزار چمن (۷)

و

۱۲۹ - منقار سے وکھتا ہوں بہم چاک قفس کو (۵)

۱۳۰ - اگر وہ آفت نظارہ جلوہ گستر ہو (۰)

۱۳۱ - وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو (۱۰)

اضافہ برحاشیہ - ورق ۳۴ الف

۱۳۲ - بیدرد سر بسجدۂ الف فرو نہو (۷)

۱۳۳ - حسد چھپانہ ہے دل ، عالم آب تماشا ہو (۹)

۱۳۴ - مبادا بے تکلف فصل کا برگ و نوا گم ہو (۸)

۱۳۵ - خشکی ہے نے تلف کی ہے کرے کی آبرو (۷)

ہ

۱۳۶ - اشک چکیدہ رنگ پریدہ (۷)

۱۳۷ - خوشا طوطی و کنج آشیانہ (۶)

۱۳۸ - رفتار سے شیرازۂ اجزائے قدہ باندھ (۶)

۱۳۹ - خلق ہے صفحۂ عبرت سے سبق ناخواندہ (۷)

۱۴۰ - بسکہ ہے پینے لگے بادہ کشاں پوشیدہ (۷)

۱۴۱ - از مہرتا بہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ (۷)

۱۴۲ - جوش دل ہے نشہ ہائے فطرت بیدل نہ پوچھ (۷)

۱۴۳ - جز دل ، سراغ درد بدل خفتگاں نہ پوچھ (۷)

ی

۱۴۴ - ضبط سے اسپند جوں مردم اقامت گیر ہے (۷)

۱۴۵ - گرمے ہے رہرواں سے خضر راہ عشق جلادی (۷)

۱۴۶ - یہ سر نوشت میں میری ہے اشک افشانی (۶)

۱۴۷ - ہے آرمیدگی میں نکوش بجا مجھے (۱۰)

۱۴۸ - چاہیے خوباں کو جیتنا چاہیے (۹)

اضافہ بر حاشیہ - ورق ۳۸ الف

۱۴۹ - ہر رنگ سوز پردۂ یک ساز ہے مجھے (۸)

۱۵۰ - کہوں کیا گرم جوشی وقت سے آتش عذاراں کی (۶)

۱۵۱ - جنوں تہمت کش تسکیں نہ ہو گو شادمانی کی

۱۵۲ - عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی سہی (۱۰)

اضافہ برحاشیہ - ورق ۳۸ ب

۱۵۳ - نکوہش ہے سزا فریادی بیداد دلبر کی (۷)

۱۵۴ - آنکھوں میں انتظار سے جاں پرشتاب ہے (۶)

۱۵۵ - بے خود زبسکہ خاطر بیتاب ہو گئی (۵)
۱۵۶ - بجوم غم سے یہاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے (۶)
۱۵۷ - پھر کچھ اک دل کو بے قراری ہے (۴)

اضافہ برحاشیہ - ورق ۳۹ ب

۱۵۸ - جنوں رسوائی وارستگی زنجیر بہتر ہے (۶)
۱۵۹ - مژہ پہلوے چشم اے جلوۂ ادراک باقی ہے (۶)
۱۶۰ - خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے (۷)
۱۶۱ - زبسکہ مشق تماشا جنوں علامت ہے (۵)
۱۶۲ - تر جبیں رکھتی ہے شرم قطرہ سامانی مجھے (۷)
۱۶۳ - ہم زباں آیا نظر فکر سخن میں تو مجھے (۵)
۱۶۴ - باعث داماندگی ہے عمر فرصت جو مجھے (۵)
۱۶۵ - یاد ہے شادی میں عقد نالۂ یارب مجھے (۶)
۱۶۶ - کوش وزد حنا پوشیدہ افسوں ہے مجھے (۵)
۱۶۷ - دیکھ تری خوے گرم دل بہ تپش رام ہے (۷)
۱۶۸ - بسکہ سودائے خیال زلف وحشت ناک ہے (۷)
۱۶۹ - جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی (۷)

اضافہ بر حاشیہ - ورق ۴۱ ب

۱۷۰ - چشم خوباں مے فروش نشہ زار ناز ہے (۷)
۱۷۱ - بسکہ حیرت سے زپا زفتادۂ زنہار ہے (۷)
۱۷۲ - کوہ کے ہوں بار خاطر گر صدا ہو جائیے (۷)
۱۷۳ - کوشش ہمہ بیتاب تردو شکنی ہے (۷)
۱۷۴ - کاشانہ ہستی کہ براندر ختنی ہے (۷)
۱۷۵ - ساماں صد ہزار نمک داں کیے ہوئے (۱۳)

اضافہ بر حاشیہ - ورق ۴۳ ب

۱۷۶ - حکم بتیابی نہیں اور آرمیدن منع ہے (۷)

۱۷۷ - چارسوے عشق میں صاحب دوکانی مفت ہے (۶)
۱۷۸ - بتیابی یار دوست بہرنگ تسلی ہے (۷)
۱۷۹ - گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے (۵)
۱۸۰ - دریوزۂ ساماں ہا اے بے سرو سامانی (۷)
۱۸۱ - نظر بہ نقص گدایاں کمال بے ادبی ہے (۷)
۱۸۲ - دلا، غلط ہے تمنائے خاطر افروزی (۶)
۱۸۳ - بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے (۹)
۱۸۴ - خبر نگہ کو نگہ چشم کو عدو جانے (۶)
۱۸۵ - اگر گل حسن و الفت کی بہم جوشیدنی جانے (۸)
۱۸۶ - گلستاں یک تماشا پیش پا افتادہ مضموں ہے (۷)
۱۸۷ - صبح سے معلوم آثار ظہور شام ہے (۶)
۱۸۸ - دیکھتا ہوں وحشت شوق خروش آمادہ ہے (۶)
۱۸۹ - اے خیال وصل نادر ہے مے آشامی تری (۷)
۱۹۰ - چشم گریاں بسمل شوق بہار دید ہے (۵)
۱۹۱ - وہ مژۂ براہ رویانیدن از دل تیز ہے (۶)
۱۹۲ - نظر پرستی و بیکاری خود آرائی (۸)
۱۹۳ - رونے سے اور عشق میں بیباک ہو گئے (۷)

اضافہ برحاشیہ - ورق ۸۴ ب

۱۹۴ - گدائے طاقت تقریر ہے زباں تجھ سے (۹)
۱۹۵ - شکل طاؤس گرفتار بنایا ہے مجھے (۱۱)
۱۹۶ - داغ تجھ بن گل نرگس سے ڈراتا ہے مجھے (۹)
۱۹۷ - قتل عشاق نہ غفلت کش تدبیر آوے (۷)
۱۹۸ - تشنۂ خون تماشا جو وہ پانی مانگے (۱۱)
۱۹۹ - ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے (۸)
۲۰۰ - فرصت آئینہ صد رنگ خود آرائی ہے (۷)

۲۰۱ - داغ پشت دست عجز شعلہ خس بدنداں ہے (۸)
۲۰۲ - گریہ سرشاری شوق بہ بیاباں زدہ ہے (۷)
۲۰۳ - درد سے میرے ہے تجھ کو بیقراری ہائے ہائے (۱۲)
اضافہ بر حاشیہ - ورق ۵۰ الف
۲۰۴ - خواب غفلت بہ کمیں گہ نظر پنہاں ہے (۷)
۲۰۵ - دامان دل بہ وہم تماشا نہ کھینچیے (۷)
۲۰۶ - تاچند ناز مسجد و بتخانہ کھینچیے (۷)
۲۰۷ - کرتا ہے گل جنوں تماشا کہیں جسے (۷)
۲۰۸ - منت کشی میں حوصلہ بے اختیار ہے (۷)
۲۰۹ - مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے (۷)
۲۱۰ - حس بے پروا خریدار متاع جلوہ ہے (۵)
۲۱۱ - خود فروشی ہائے ہستی بسکہ جائے خندہ ہے (۶)
۲۱۲ - شوخی مشراب جولاں آبیار نغمہ ہے (۷)
۲۱۳ - نشۂ مئے بے چمن، دود چراغ کشتہ ہے (۷)
۲۱۴ - عبارت بسکہ تجھ سے گرمی بازار بستر ہے (۵)
۲۱۵ - خطر ہے رشتۂ الفت رگ گردن نہ ہو جاوے (۵)
۲۱۶ - سمجھاؤ اسے یہ وضع چھوڑے (۹)
اضافہ بر حاشیہ - ورق ۵۲ ب
۲۱۷ - نوائے خفتۂ الفت اگر بیدار ہو جاوے (۷)
۲۱۸ - دل بیمار از خود رفتہ تصویر نہائی ہے (۶)
۲۱۹ - شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے (۸)
۲۲۰ - زلف سیہ افعی نظر بد قلمی ہے (۵)
۲۲۱ - اس قامت رعنا کی جہاں جلوہ گری ہے (۵)
۲۲۲ - تاچند نفس غفلت ہستی سے بر آوے (۹)
۲۲۳ - تحیر ہے گریباں گیر ذوق جلوہ پیرائی (۱۱)

۲۲۴ - غم و عشرت قدم بوس دل تسلیم آئیں ہے (۹)
۲۲۵ - محو آرا سیدگی سامان بیتابی کرے (د)
۲۲۶ - اے خوشا وقتے کہ ساقی یک خمستان وا کرے (۷)
۲۲۷ - چاک کی خواہش اگر وحشت بعریانی کرے (۵)
۲۲۸ - بہ نقص ظاہری رنگ کمال طبع پنہاں ہے (۶)
۲۲۹ - جہاں زنداں موجستاں دلہائے پریشاں ہے (۶)
۲۳۰ - کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہاں ہے (۷)

اضافہ برحاشیہ - ورق ۵۵ ب

۲۳۱ - ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک افغاں ہے (۷)
۲۳۲ - تغافل مشربی سے ناتمامی بسکہ پیدا ہے (۶)
۲۳۳ - اثر سوز محبت کا قیامت بے محابا ہے (۶)
۲۳۴ - بہ بزم مے پرستی حسرت تکلیف بے جا ہے (۷)
۲۳۵ - بہرہ پروردن ، سراسر لطف گستر سایہ ہے (۴)
* ۲۳۶ - وہ نہا کر آب گل سے سایہ گل کے تلے (۵)
۲۳۷ - جوہر آئینہ ساں مژگاں بدل آسودہ ہے (۷)
۲۳۸ - بہار تعزیت آباد عشق ماتم ہے (۵)
۲۳۹ - عذار یار نظر بند چشم گریاں ہے (۷)
۲۴۰ - شفق بدعوی عاشق گواہ رنگیں ہے (۷)
* ۲۴۱ - روتا ہوں بسکہ در ہوس تا رمیدگی (۵)
۲۴۲ - عاشق نقاب جلوۂ جانانہ چاہیئے (۵)
۲۴۳ - یوں بعد ضبط اشک پھرا گرد یار کے (۷)
۲۴۴ - بہ فکر حیرت رم آئینہ پرداز زانو ہے (۵)
* ۲۴۵ - بدست آوردن دل گوہر دریائے شاہی ہے (۵)
* ۲۴۶ - نہ چھوڑو محفل عشرت میں جا اے میکشاں خالی (۷)
۲۴۷ - ہوا جب حسن کم ، خط بر عزار سادہ آتا ہے (۵)

۲۴۸ - نگہ سرمہ سانے عرض تکلیف شرارت کی (د)
۲۴۹ - خدا دل کہاں تک دن بصد رنج و تعب کاٹے (د)
* ۲۵۰ - تماشائے جہاں مفت نظر ہے (ے)
۲۵۱ - بس کہ زیر خاک با آب طراوت راہ ہے (د)
۲۵۲ - بس کہ چشم از انتظار جوش خطاں بے نور ہے (ے)
۲۵۳ - سوختگاں کی خاک میں ریزش نقش داغ ہے (د)

(ل) رباعیات فارسی

* ۱ - اے رونق مدعا سے تمکیں مدد سے
* ۲ - لیلی بہوا عناں سپرد افسوں را
* ۳ - اے حسن مخور فریب رعنائی ہا
* ۴ - ندرت کشش بکار گہ تحریر
* ۵ - ایں بادہ کہ از میکدۂ جم آمد
* ۶ - گوئی کہ ہنوز جستجو خوابی کرد
* ۷ - آں راکہ دلے بہ بیکسی ہم خانہ است
* ۸ - ہر چند جنوں فسردہ ساماں نبود
* ۹ - مرد آں کہ بو ہم خود ہراساں نبود
* ۱۰ - پیمانہ بزم عیش ما گوش خود است
۱۱ - شاہیم و جنون ما ز تمکیں دلتنگ
* ۱۲ - انگور کزوست انجمن پردازی
۱۳ - گفتم کہ اسد گفت دل آشفتہ من

(م) رباعیات اردو

۱ - ہر چند کہ دوستی میں کامل ہونا
۲ - بعد از اتمام بزم عید اطفال

۳ - شب زلف و رخ عرق فشاں کا غم تھا
۴ - دل تھا کہ جو جان درد تمہید سہی
۵ - ساماں ہزار جستجو یعنی دل
۶ - اے کاش بتاں کا خنجر سینہ شگاف
۷ - اے کثرت فہم بے شمار اندیشہ
۸ - بے گریہ کہاں تر جبینی ہے مجھے
۹ - گر جوہر امتیاز ہوتا ہم میں
۱۰ - ہے خلق اسد قماش لڑنے کے لیے
* ۱۱ - گلخن شرر اہتمام بستر ہے آج

(ن) مرزا غالب کی ۱۹ غیر مطبوعہ غزلیں اور ۱۳ رباعیاں

(ورق ۷ - الف)

(۱)

فرو پیچیدنی ہے فرش، بزم عیش گستر کا
دربغا، گردش آموز فلک ہے دور ساغر کا
خط نو خیز کی، آئینہ میں دی کس نے آرایش
کہ ہے تہ بندی پر ہائے طوطی، رنگ جوہر کا[۱]
گیا جو نامہ بر، واں سے برنگ باختہ آیا
خطوط روے قالیں، نقش ہی پشت کبوتر کا
شکست گوشہ گیراں، ہے فلک کو حاصل گردش
صدف سے، آسیائے آب میں ہے دانہ گوہر کا
فزوں ہوتا ہے ہر دم، جوش خوں باری، تماشا ہے
نفس کرتا ہے رگہائے[۲] مژہ پر کام نشتر کا

---

۱ - شعر ۲، ۳، ۴ قلم زد کر دیے ہیں، مگر پوری غزل غیر مطبوعہ ہے اور دیوان غالب کے کسی نسخے میں نہیں ملتی -
۲ - پہلے "برگہائے مژگاں" لکھا تھا، بعد میں ترمیم کی گے -

خیال شربتِ عیسیٰ ، گدازِ تر جبینی ہے
اسد ہوں مست ، دریا بخشیِ ساقیِ کوثر کا

(غزل نمبر ۲۲ تعداد اشعار ۷)

(۲)

(ورق ۹ - الف)

تنک ظرفوں کا رتبہ ، جہد سے برتر نہیں ہوتا
حبابِ ہے ، بصد بالیدنی ، ساغر نہیں ہوتا

عجب ، اے آبلہ پایانِ صحرائے نظر بازی[1]
کہ تارِ جادۂ رہ ، رشتۂ گوہر نہیں ہوتا

خوشا عجزے کہ عاشق جل بجھے جوں شعلۂ خامش
کہ کم از سرمہ ، اس کا مشتِ خاکستر نہیں ہوتا

تماشائے گل و گلشن ہے ، مفتِ سر بجیبی ہا
بہ از چاکِ گریباں ، گلستاں کا در نہیں ہوتا

نہ رکھ چشمِ حصولِ نفع ، صحبت ہائے ممسک سے
لبِ خشکِ صدف ، آب گہر سے تر نہیں ہوتا

نہ دیکھا کوئی ہم نے آشیاں بلبل کا گلشن میں
کہ جس کے در پہ غنچہ شکلِ قفلِ زر نہیں ہوتا

صفا کب جمع ہو سکتی ہے ، غیر از گوشہ گیری ہا
صدف بن قطرۂ نیساں اسد گوہر نہیں ہوتا

(غزل نمبر ۳ تعداد اشعار ۷)

---

۱ - پہلے 'نظر بازی' کی جگہ 'محبت ہا' لکھا تھا جسے قلم زد کر دیا -

(۳)

(ورق ۹ - ب)

وہ فلک رتبہ، کہ بر توسنِ چالاک چڑھا
ماہ پر، ہالہ صفت، حلقۂ فتراک چڑھا

نشّۂ مے کے اُتر جانے کے غم سے انگور
صورتِ اشک، بہ مژگانِ رگِ تاک چڑھا

بوسۂ لب سے ملی، طبع کو کیفیتِ خال
مے کشیدن سے مجھے، نشّۂ تریاک چڑھا

میں جو گردوں کو بمیزان طبیعت تولا
تھا یہ کم وزن، کہ ہم سنگِ کفِ خاک چڑھا

اے اسد واشدنِ عقدۂ غم گر چاہے
حضرتِ زلف میں جُوں شانہ، دلِ چاک چڑھا

(غزل نمبر ۳۳ - تعداد اشعار ۵)

(۴)

(ورق ۱۱ ب)

خط جو رخ پر جانشینِ ہالۂ مہ ہو گیا
ہالہ، دُودِ شعلۂ جوّالۂ مہ ہو گیا

حلقۂ گیسو کھلا دورِ خطِ رخسار پر
ہالۂ دیگر، بہ گرد ہالۂ مہ ہو گیا

شب کہ مستِ دیدنِ مہتاب تھا وہ جامہ زیب
پارۂ چاک کتاں پرکالۂ مہ ہو گیا

شب کہ وہ گل باغ میں تنہا جلوہ فرما اے اسد
داغ مہ جوشِ چمن سے لالۂ مہ ہو گیا

(غزل نمبر ۴۱ تعداد اشعار ۴)

(۵)

(ورق ۱۲ - ب)

دل بیتاب کہ سینے میں دمِ چند رہا
بدمِ چند ، گرفتارِ غم چند رہا
زندگی کے ہوئے ناگہ نفسِ چند تمام
کوچۂ یار جو مجھ سے قدم چند رہا
لکھ سکا میں نہ اسے شکوۂ پیماں شکنی
لا جرم توڑ کے عاجز ، قلم چند رہا
الفتِ زر ہمہ نقصاں ہے ، کہ آخر قاروں
زیرِ بارِ غم دام و درم چند رہا
عمر بھر ہوش نہ یک جا ہوئے میرے کہ اسد
میں پرستندۂ روے صنم چند رہا

(غزل نمبر ۴۴ تعداد اشعار ۵)

(۶)

(ورق ۱۲ ب)

جگر سے ٹوٹی ہوئی ہوگئی سناں پیدا
دہانِ زخم میں آخر ہوئی زباں پیدا[1]

---

۱ - صرف یہ مطلع اعظم الدولہ سرور کے تذکرہ ''عمدۂ منتخبہ'' میں موجود ہے - غزل کے باقی اشعار کسی نسخے میں نہیں ملتے -

بسانِ سبزہ رگِ خواب ہے زبان ایجاد
کرے ہے خامشی احوالِ بےخوداں ایجاد

صفا و شوخی و اندازِ حسن پا برکاب
خطِ سیاہ سے ہے گردِ کارواں پیدا

نہیں ہے آہ کو ایمائے تیر بالیدن
وگرنہ ہے خم تسلیم سے کہاں پیدا

نصیبِ تیرہ، بلا گردش آفریں ہے اسد
زمین سے ہوتے ہیں صد دامن آسماں پیدا

(غزل نمبر ۵۴ - تعداد اشعار ۵)

(۷)

(ورق ۱۳ - الف)

نہاں کیفیتِ مے میں ہے، سامانِ حجاب اُس کا
بنا ہے پنبۂ مینا سے ساقی نے نقاب اُس کا

اگر اُس شعلہ رو کو دوں پیام مجلس افروزی[۱]
زبانِ شمعِ خلوت خانہ، دیتی ہے جواب اُس کا

عیاں کیفیتِ مے خانہ ہے، جوئے گلستاں میں
کہ مے عکسِ شفق ہے اور ساغر ہے حباب، اُس کا

اُٹھائے ہیں میں جو اُفتادگی میں متصل صدمے
کروں گا اشک ہائے واچکیدہ سے حساب اُس کا

---

۱ - مجلس آرائی کو قلم زد کر کے مجلس افروزی بنایا ہے۔

اسد کے واسطے رنگے بروے کار ہو پیدا
غبار آوارہ و سرگشتہ ہے با بُو تراب اس کا

(غزل نمبر ۷ہم تعداد اشعار ۵)

(۸)

(ورق ۱۳ - الف و ب)

زبس ہے ناز پردازِ غرورِ نشّہٴ صہبا
رگِ بالیدۂ گردن ہے موج بادہ در مینا

در آبِ آینہ ، از جوشِ عکسِ گیسوے مشکیں
بہار سنبلستاں جلوہ گر ہے ، آنسوے دریا

(۱۳ ب)

کہاں ہے دیدۂ روشن، کہ دیکھے بے حجابانہ
نقابِ یار ہے از پردۂ ہاے چشم ، نابینا

نہ دیجے پاسِ ضبطِ آبرو وقتِ شکست بھی
تحمل پیشہٴ تمکین رہیئے ، آینہ آسا

اسد طبعِ متیں سے گر نکالوں شعرِ برجستہ
شرر ہو قطرۂ خونِ فسردہ در رگِ خارا

(غزل نمبر ۸ہم تعداد اشعار ۵)

(۹)

(ورق ۳۳ الف)

ضماں جادہ رویا لدن ہے خطِ جام ہے نوشاں
وگرنہ منزلِ حیرت سے کیا واقف ہیں مدہوشاں

نہیں ہے ضبط جُز مشاطگی ہائے غم آرائی
کہ میلِ سُرمہ ، چشمِ داغ میں ہے آہِ خاموشاں

بہ ہنگامِ تصور ، ساغر زانو سے پیتا ہوں
مے کیفیتِ خمیازہ ہائے صبح آغوشاں

نشانِ روشنیِ دل نہاں ہے تیرہ بختوں کا
نہیں محسوس دودِ مشعلِ بزمِ سیہ پوشاں

پریشانی اسد در پردہ ہے سامانِ جمعیت
کہ ہے آبادیِ صحرا ہجومِ خانہ بردوشاں

(غزل نمبر ۱۲۴ - تعداد اشعار ۵)

(۱۰)

(ورق ۳۳ - الف)

نہیں ہے بے سبب قطرے کو شکلِ گوہر افسردن
گرہ ہے حسرتِ آبے بروے کار آوردن

مہِ نو سے ہے رہزن وار نعل واژگوں باندھا
نہیں ممکن بجولاں ہاے گردوں دخلِ بے بُردن

خمارِ ضبط سے بھی ، نشہٗ اظہار پیدا ہے
تراوش شیرۂ انگور کی ہے منت افشردن

خراب آبادِ غربت میں عبث افسوسِ ویرانی
گل از شاخ دور افتادہ ، ہے نزدیکِ پژمردن

فغاں و آہ سے حاصل بجز دردِ سرِ یاراں
خوشا اے غفلت آگاہاں ، نفس دزدیدن و مردن

دریغا بستنِ رختِ سفر سے ہو کے میں غافل[1]
رہا پامال حسرت ہائے فرشِ بزم گستردن

اسد ہے طبع مجبور تمنا آفرینی ہا
فغاں بے اختیاری و فریبِ آرز و خوردن

(غزل نمبر ۱۲۵ - تعداد اشعار ۷)

(۱۱)

(ورق ۳۳ - ب)

سازشِ صلح بتاں میں ہے نہاں جنگیدن
نغمہ و چنگ ہیں جوں تیر و کماں فہمیدن

بسکہ شرمندۂ بوے خوشِ گلرویاں ہے
نکہتِ گل کو ہے غنچے میں نفس دزدیدن

ہے فروغِ رخِ افروختۂ خوباں سے
شعلہ شمع پر افشانِ بخود لرزیدن

گلشنِ زخم کھلاتا ہے جگر میں پیکاں
گرہِ غنچہ ہے ، سامانِ چمن بالیدن

چمن دہر میں ہوں سبزۂ بیگانہ اسد
وائے اے بے خودی و تہمتِ آرا میدن

(غزل نمبر ۱۲۷ - تعداد اشعار ۵)

---

۱ - مصرع میں ترمیم کی ہے ، پہلے یوں لکھا تھا : دریغا ہو کے از بربستبن رخت سفر غافل ۔

(۱۲)

(ورق ۳۷ ب)

کرے ہے رہرواں سے خضر راہِ عشق جلادی
ہُوا ہے موجۂ ریگِ رواں شمشیر فولادی

نظر بند تصور ہے ، قفس میں لطفِ آزادی
شکستِ آرزو کے رنگ کی کرتا ہوں صیّادی

کرے ہے حسن ویراں‌کار ، روے سادہ رویاں پر
غبارِ خط سے تعمیرِ بناے خانہ بربادی

چنار آسا ، عدم سے بادل پُر آتش آیا ہوں
تہی آغوشیِ دست تمنا کا ہوں فریادی

اسد از بسکہ فوج درد و غم سرگرم جولاں ہے
غبارِ راہ ویرانی ہے ، ملکِ دل کی آبادی

(غزل نمبر ۱۳۵ - تعداد اشعار ۵)

(۱۳)

(ورق ۵۲ ب حاشیہ)

سمجھاؤ اُسے ، یہ وضع چھوڑے
جو چاہے کرے ، پہ دل نہ توڑے[۱]

تقریر کا اُس کی حال مت پوچھ
معنی ہیں بہت و لفظ تھوڑے

---

۱ - یہ غزل نسخۂ امروہہ کے حاشیے پر کسی اور شخص کے قلم سے اضافہ ہوئی ہے اور دیوان غالب کے کسی معلوم نسخے میں نہیں ملتی -

نذر مژہ کر دل و جگر کو
چیرے ہی سے جائیں گے یہ پھوڑے
عاشق کو یہ چاہیے کہ ہرگز
اندوہ (وفا)[1] سے منہ نہ موڑے
آجا لبِ بام ، کوئی کب تک
دیوار سے اپنے سر کو پھوڑے
جاتے ہیں رقیب کو خط اس کے
کاغذ کے دوڑتے ہیں گھوڑے

قطعہ

غم خوار کو ہے قسم ، کہ زنہار
غالب کو نہ تشنہ کام چھوڑے
حسرت زدۂ طرب ہے یہ شخص ،
دم جب کہ بوقت نزع توڑے ،
پانی نہ چوائے اس کے منہ میں
گل سے میں بھگو نچوڑے

(غزل نمبر ۲۱٦ - تعداد اشعار ۹)

(۱۴)

(ورق ۵۴ ۔ الف)

اس قامتِ رعنا کی جہاں جلوہ گری ہے
تسلیم فروشی روش کبکِ دری ہے

---

۱ - کوئی لفظ اندوہ کے بعد لکھنے سے رہ گیا ہے ہم نے وزن پورا کرنے کے لیے لفظ وفا قوسین میں اضافہ کر دیا ہے -

شرمندۂ اُلفت ہوں ، مداوا طلبی سے
ہر قطرۂ شربت مجھے اشکِ شکری ہے

سرمایۂ وحشت ہے دلا ، سایۂ گلزار
ہر سبزۂ نوخاستہ یاں بالِ پری ہے

روشن ہوئی یہ بات دمِ نزع کہ آخر
فانوس کفن بہر چراغ سحری ہے

ہم آئے ہیں غالب رہِ اقلیم عدم سے
یہ تیرگی حال ، لباس سفری ہے

(غزل نمبر ۲۲۱ - تعداد اشعار ۵)

(۱۵)

(ورق ۶۸ - الف)

روتا ہوں بسکہ در ہوسِ آرمیدگی
جوں گوہر اشک کو ہے فراموش چکیدگی

بر خاک اوفتادگی کشتگاں عشق
ہے سجدۂ سپاس ، بہ منزل رسیدگی

انساں نیاز مندِ ازل ہے کہ جوں کماں
مطلب ہے ربط سے رگ وپے کی خمیدگی

ہے بسملِ ادائے چمن عارضاں ، بہار
گلشن کو رنگِ گل سے ہے درخوں طپیدگی

دیکھا نہیں ہے ہم نے بہ عشق بتاں اسد
غیر از شکستہ حالی و حسرت کشیدگی

(غزل نمبر ۲۴۰ - تعداد اشعار ۵)

(۱۶)

(ورق ۵۷ - الف)

وہ نہا کر آبِ گل سے ، سایۂ گل کے تلے
بال کس گرمی سے سُکھلاتا تھا سُنبل کے تلے

کثرتِ جوشِ سُویدا سے ، نہیں تل کی جگہ
خال کب مشاطہ دے سکتی ہے کاکل کے تلے

بسکہ خوبان باغ کو دیتے ہیں وقت سے شکست
بال اوگ جاتا ہے شیشے کا رگِ گل کے تلے

ہے پرافشاندن طپیدن ہا بتکلیف ہوس
ورنہ صد گلزار ہے یک بالِ بلبل کے تلے

پے بہ مقصد بُردنی ہے ، خضرِ مے سے اے اسد
جادۂ منزل ہے خط ساغرِ مل کے تلے

(غزل نمبر ۲۳۵ - تعداد اشعار ۵)

(۱۷)

(ورق ۵۹ - الف)

بدست آوردنِ دل ، گوہر دریاے شاہی ہے
وگرنہ خاتم دستِ سلیماں ، فلسِ ماہی ہے

سخت تاریک طبعوں کا ، ہے اظہار کثافت ہا[1]
کہ زنگِ خامۂ فولاد ، مانائے سیاہی ہے

---

۱ - غالب نے سہواً 'کسافتہا' لکھا ہے -

خمیدن نشۂ مے میں ہے ، شرم زشت اعمالی
دماغ زُہد میں آخر غرورِ بے گناہی ہے

نہیں ہے خالی آرایش سے ، بےسامانیِ عاشق
شکستِ حال ، انداز آفرینِ کج کلاہی ہے

اسد خوباں بھی دور چرخ سے رنجیدہ خاطر ہیں
گریباں چاکی گلہا ، نشان داد خواہی ہے

(غزل نمبر ۲۴۴ - تعداد اشعار ۵)

(۱۸)

(ورق ۵۹ - الف)

نہ چھوڑو محفلِ عشرت میں جا، اے مے کشاں خالی
کمیں گہ بلا ہے ، ہو گیا شیشہ جہاں خالی

نہ دوڑا ریشۂ دیوانگی ، صحن بیاباں میں
کہ تارِ جادہ سے ہے ، سُبحۂ ریگ رواں خالی

دکان ناوک تاثیر ہے ، از خود تہی ماندن
سراسر عجز ہو کر ، خانہ مانندِ کماں خالی

محبت ہے نوا ساز فغاں ، در پردۂ دلہا
کرے ہے مغز سے مانند نے کے استخواں خالی

عبث ہے خطِ ساغر جلوہ ، طوق گردنِ قمری
مئے اُلفت سے ہے مینائے سروِ بوستاں خالی

نہ بھولو ریزش اعداد کی قطرہ فشانی پر
عزیزاں ، ہے برنگ صفر ، جام آسماں خالی

اسد ہنستے ہیں میرے گریہ ہائے زار پر مردم
بھرا ہے دہر بیدردی سے ، دل کیجیے کہاں خالی

(غزل نمبر ۲۴۵ - تعداد اشعار ۷)

(۱۹)

(ورق ۶۰ - الف)

تماشائے جہاں مفت نظر ہے
کہ یہ گلزار ، باغ رہ گذر ہے

جہاں شمعِ خموشی جلوہ گر ہے
پر پروانگاں بالِ شرر ہے

بجیب اشک چشم سرمہ آلود
مسی مالیدہ دندان گہر ہے

شفق ساں، موجۂ خوں ہے رگِ خواب
کہ مژگان کشودہ نیشتر ہے

کرے ہے روئے روشن آفتابی
غبارِ خط رخ ، گرد سحر ہے

ہوئی یک عمر صرفِ مشق نالہ
اثر موقوف بر عمرِ دگر ہے

اسد ہوں میں پرافشان رمیدن
سوادِ شعر در گردِ سفر ہے

(غزل نمبر ۲۴۹ - تعداد اشعار ۷)

رباعیات فارسی

(غیر مطبوعہ)

(ورق ۶۱ - الف)

اے رونق مدعاے تمکیں مددے
جان و دلِ خاتم النبیین مددے

اے قبلہ و قبلہ گاہ ایماں، نظرے
وے خانہ خداے کعبۂ دیں مددے

(۲)

لیلی، بہوا عناں سپرد افسوں را
زنگ است کہ بستہ در گرہ ہاموں را

از بسکہ بعجز می کشد بارِ وفا
دل در برِ ناقہ می طپد مجنوں را

(۳)

(ورق ۶۱ ب)

اے حسن مخور فریبِ رعنائی ہا
عشق است و ہزار کارفرمائی ہا

آئینہ نمد در آب دارد غافل
چیزے می خواہد این خود آرائی ہا

(۴)

قدرت کشش بکار گه تحریر
گر خواب زند نقش بپالد تعبیر

گردد ز تحیر فسون پردازی
بالِ قلمش ، نگہ بچشم تصویر

(۵)

این بادہ کہ از مے کدۂ جم آمد
پیمانۂ عشرت دو عالم آمد

بر چہرۂ نامِ خویش صادے کردم
یعنی این جا بچشم خواہم آمد

(٦)

گوئی کہ هنوز جستجو خواہی کرد
عشق بتِ دیگر آرزو خواہی کرد

اے عمر چہ می فریبی از طولِ امل
باما کہ وفا کردکہ تو خواہی کرد

(۷)

آن را کہ دلے بہ بیکسی ہم خانہ است
گلزارِ زمانہ ، سبزۂ بیگانہ است

باہم چومنے کہ دوستی دشمنِ اوست
سگ نیز اگر وفا کند دیوانہ است

(٨)

ہر چند جنوں فسردہ ساماں نبود
بدمستی و ہوشیاری آساں نبود

گشتند نظر پرست نادانے چند
غافل کہ نظر پرست ناداں نبود

(٩)

(ورق ٦٢ - الف)

مرد آں کہ بوہم خود ہراساں نبود
در بند طلسم نفع و نقصاں نبود

ہمواری وضع را ، تغافل شرط است
اے مدعیاں ، کریم ناداں نبود

(١٠)

پیمانۂ بزم عیش ما ، گوش خود است
صاف مئے ما ، ترانۂ جوش خود است

ہر جا کہ قدم نہیم ، آغوش خود است
آئینہ مدام ، خانہ بردوش خود است

(١١)

انگور کزوست انجمن پردازی
می ریزی و سبحۂ خودش می سازی

اے محتسب، آخر از خدا می ترسی؟
بازی بازی بریش بابا بازی !

(۱۲)

گفتم کہ اسد ؟ گفت : دل آشفتۂ من
گفتم : نفسش ؟ گفت : بخون خفتۂ من

گفتم : "بخشش باین نزاکت گفتن" ؟
گفت : "این ہمہ مدعاے نا گفتۂ من"

رباعی اردو

(ورق ۶۳ - الف)

گلخن شرر اہتمام بستر ہے آج
یعنی تب عشق شعلہ پرور ہے آج
ہوں درد ہلاک نامہ بر سے بیزار
قارورہ مرا خون کبوتر ہے آج

(اپریل ۱۹۶۹ع)

نثار احمد فاروقی

کی

ایک اور وقیع تصنیف

تلاش میر

جس میں خدائے سخن میر تقی میر کی حیات اور شاعری کے بالکل نئے اور اچھوتے پہلوؤں پر عالمانہ تحقیق کی گئی ہے۔

(زیر طبع)

*

ادارۂ فروغ اردو ، ایبک روڈ ، لاہور